بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اُسوۂ حُسنہ

(ارباب شریعت کی خصوصی توجہ کے لئے)

رسول اللہ ﷺ خدا کی طرف سے ایک ضابطۂ حیات (دین) لائے جس پر سب سے پہلے حضورؐ نے خود عمل فرمایا۔ آپ کے اس عمل کو عام اصطلاح میں سنت کہا جاتا ہے۔ جس کا تحریری ریکارڈ احادیث کے ان مجموعوں میں ملتا ہے جو مختلف ائمہ حدیث نے وقتاً فوقتاً مرتب کئے۔ چونکہ یہ مجموعے حضورؐ کی وفات کے بہت بعد مرتب ہوئے۔ اس لئے ان میں صحیح باتوں کے ساتھ غلط باتیں بھی شامل ہو گئیں۔ چونکہ رسولؐ اللہ کی ساری زندگی قرآن ہی کے اتباع میں گذری تھی اور قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔ اس لئے ان مجموعوں میں جتنی باتیں ایسی ہیں جو قرآن کے خلاف نہیں جاتیں ان کے متعلق تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ صحیح ہیں۔ اس طرح قرآن کی روشنی میں اس ریکارڈ سے رسول اللہ ﷺ کی ایسی سیرت ہمارے سامنے آجاتی ہے جو ہمارے لئے زندگی کی تاریکیوں میں شمع ہدایت اور تمام نوع انسانی کے لئے روشنی کے جگمگاتے مینار کا کام دیتی ہے۔ اسی کو رسولؐ اللہ کا اسوہ حسنہ کہتے ہیں۔ یعنی وہ ماڈل جس کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انسان زندگی کے مقصود و منتہیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ طوبیٰ لہم و حسن مآب۔

جزئیات کو چھوڑ کر بہ ہیئت مجموعی حضورؐ نے جس انداز کی زندگی بسر کی۔ اس کے متعلق علامہ شبلی نے مختلف کتب روایات و سیر کے حوالوں سے سیرۃ النبی (جلد اول) میں حسب ذیل تفصیل لکھی ہے۔

''مصنفین یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرت جب تک مکہ معظّمہ میں تھے تو پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیرنگیں ہو جانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری، باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو پر گرو تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہو چکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زر و سیم کا سیلاب آچکا ہے......

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: ولا یطوی' لہ' ثوب کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کر کے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا۔ دوسرا

نہیں ہوتا تھا جو تہہ کر کے رکھا جا سکتا۔

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سوتا تھا۔

كان رسول الله يبيت الليالى المتتابعة طاويا هو واهله لا يجدون عشاء۔

آپ اور آپ کے اہل وعیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہ جاتے تھے۔ کیونکہ رات کا کھانا میسر نہیں ہوتا تھا۔

پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہ نے ایک موقعہ پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں کہ پانی اور کھجور۔ البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی۔ میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گذرا۔ سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں چھلنیاں نہیں تھیں بولے نہیں۔ لوگوں نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے۔ جو رہ جاتا تھا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے تھے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصراً یہ کہ آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے۔ آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر تھے۔'' (ص ۳۴۹ تا ۳۵۲)۔

یہ تو رہا زندگی بھر کا معمول۔ اب عمر کے آخری وقت کی کیفیت ملاحظہ فرمائیے۔

بیہقی کی روایت ہے کہ اس بیماری (مرض الموت) کے ایام میں حضورؐ کے پاس سات دینار تھے اور حضور فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو۔ لیکن اسکے بعد حضور پر غشی طاری ہوگئی اور سب لوگ آپ کی تیمارداری میں مصروف ہوگئے۔ آپ کو ہوش ہوا تو فرمایا کہ انہیں لے آؤ۔ دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہوگا جب کہ وہ اپنے رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہو۔ پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا۔ (اصح السیر۔ مولانا عبدالرؤف دانا پوری، ص ۲۵۰)، نیز سیرۃ النبی شبلی حصہ اول (ص ۱۷۹)۔

یہ تھی وفات کے قریب کی مالی حالت۔ وفات کے بعد (ترکہ) کے متعلق اسی اصح السیر میں ہے۔

''یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مرض الموت میں وفات کے قریب حضورؐ کے پاس کل سات دینار تھے۔ اس کو خود حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے صدقہ کر دیا تھا۔ چند مکانات تھے۔ وہ ازواج مطہرات پر بٹے ہوئے تھے اور انہیں کے قبضے میں تھے...... کچھ زمینیں تھیں۔ جلیل القدر اصحاب میں اس کی ملکیت کے متعلق اختلافات ہیں مگر صحیح یہی ہے کہ وہ

فے یا صدقہ کی زمینیں تھیں اور من جانب اللہ اس پر تصرف کا حضورؐ کو کامل اختیار تھا۔ لیکن وہ ذاتی ملکیت نہ تھی جس میں وراثت جاری ہو سکے حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

ما ترك رسول الله درهماً ولا ديناراً ولا شاةً ولا بعيراً ولا اوهى بشئ (رواہ مسلم) حضور نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار۔ نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔ ام المومنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمرو بن الحارثؓ کی روایت بخاری میں ہے۔ ما ترك رسول الله عند موته ديناراً ولا درهماً ولا عبداً ولا امة ولا شيئا الا بغلة البيضاء وسلاحه وارضاً جعلها صدقة رسولؐ اللہ نے وفات کے وقت نہ دینار چھوڑا' نہ درہم۔ نہ غلام نہ لونڈی' نہ کوئی اور شے لیکن ایک سفید خچر اور سلاحِ جنگ اور زمینیں جسے حضورؐ نے صدقہ کر دیا تھا'' (ص ۵۴۵)۔

علامہ شبلی نے ''متروکات'' کے عنوان کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے۔

آنحضرتؐ نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات و جائداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے کہ لا نورث ما تركنا صدقة ہم (انبیاءؑ کا) کوئی وارث نہیں ہوتا جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔ (ص ۱۸۵)۔

(اس کے بعد انہوں نے بھی اپنی روایات کو درج کیا ہے۔ جو اوپر لکھی جا چکی ہیں۔)

یہ ہے حضورﷺ کی معاشی زندگی کا وہ مجموعی نقشہ جو کتب روایات کی رو سے مرتب ہوتا ہے یہ روایات احادیث کے مختلف مجموعوں میں ہیں لیکن (جہاں تک ہمیں معلوم ہے) ان کی صحت کے متعلق کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ ان سے یہ واضح ہے کہ۔

(۱) نبی اکرمؐ نے (''بادشاہی'' کے زمانہ میں بھی) نہایت سادہ زندگی بسر فرمائی۔ ایسی سادہ کہ حضورؐ نے کبھی فالتو جوڑا کپڑوں کا بھی نہ رکھا۔

(۲) حضورؐ نے اپنے پاس کبھی مال جمع نہیں کیا۔ جو کچھ آتا تھا' اس سے اپنی کم از کم ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی رفاہ عامہ کے لئے صرف کر دیتے تھے۔

(۳) حضورؐ نے کوئی جائداد یا مال ترکہ میں نہیں چھوڑا جو کچھ اشیائے مستعملہ میں سے چھوڑا اس کے متعلق بھی فرما دیا کہ وہ عام مسلمانوں کا حق ہیں۔

ہمارے نزدیک حضورﷺ کی حیات طیبہ کا یہ نقشہ اس لئے صحیح ہے کہ یہ قرآن کے منشاء کے عین مطابق ہے۔ حضورؐ جس قرآنی نظام کے قیام کے لئے تشریف لائے تھے۔ اس میں نہ روپیہ جمع کرنے کی اجازت ہے نہ زمین وغیرہ پر ذاتی ملکیت جائز اور جب یہ صورت ہو کہ نہ کسی کے پاس جمع شدہ روپیہ ہو اور نہ ہی ذاتی جائداد' تو پھر ترکہ اور وراثت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا (قرآن میں وراثت کے جو احکام ہیں وہ اس عبوری دور کے لئے ہیں جس میں ہنوز وہ نظام قائم نہ ہوا ہو۔ ویسے بھی وراثت کے احکام اسی پر نافذ ہوں گے جو ترکہ چھوڑ کر مرے۔ جس کا کچھ ترکہ ہی نہ ہو' اس پر ان احکام کا اطلاق ہی نہیں ہوتا' باقی رہی سادگی یا غریبی کی زندگی سو اسلام آسائش اور

خوش حالی کی زندگی سے منع نہیں کرتا۔ لیکن حضورؐ جس قرآنی نظام کے داعی تھے اس میں آپؐ خوش حالی کی زندگی بسر نہیں کر سکتے تھے۔ جب تک باقی تمام افراد بھی اتنے ہی خوش حال نہ ہو جاتے۔ آج بھی اگر کوئی جماعت اس نظام کے قیام کے لئے اٹھے گی۔ تو اسے اس قسم کے فقر و فاقہ کو اپنے سر لینا ہوگا۔ اس میں صدر مملکت یا مرکز نظام کی زندگی سب سے زیادہ سادگی اور غریبی کی زندگی ہوگی۔ البتہ جوں جوں معاشرہ خوش حال ہوتا جائے گا تو وہ بھی اسی نسبت سے خوشحالی کی زندگی بسر کرے گا۔ اس نظام کے السابقون الاولون کے لئے تو پیہم محنت و مشقت اور عسرت و افلاس کی زندگی ہوتی ہے اور یہ سب کچھ ان کا اپنے اوپر خود عائد کردہ ہوتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وہ خود عائد کردہ عسرت تھی جس کی وجہ سے حضورؐ اس قدر غریبی کی زندگی بسر فرماتے تھے۔

بہرحال یہ بات ہم نے محض ضمناً لکھ دی ہے جو کچھ ہم کہہ رہے تھے وہ یہ تھا کہ حضورؐ کی زندگی کا جو نقشہ کتب سیرت سے مرتب ہوتا ہے وہ سب کے نزدیک متفق علیہ ہے۔ یہاں سے ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ جب رسول اللہ ﷺ کی زندگی یہ تھی تو اسی کو امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہونا چاہئے۔ لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ حضورؐ کی اس زندگی کے متعلق وعظوں اور خطبوں میں تو بہت کچھ کہا جاتا ہے لیکن اسے بطور سنت یا اسوۂ حسنہ پیش نہیں کیا جاتا۔ نہ ہی اس پر عمل کیا جاتا اور کرایا جاتا ہے۔ سادہ زندگی بسر کرنے کی تلقین ضرور کی جاتی ہے لیکن از روئے شریعت جن باتوں کو ممنوع بتایا جاتا ہے وہ صرف مردوں کے لئے سونا اور ریشم پہننا اور چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا پینا ہے جہاں تک مال جمع کرنے کا تعلق ہے یہ کھلے بندوں کہا جاتا ہے کہ نہ اس پر کسی قسم کی پابندی ہے نہ کوئی حد بندی۔ جائز ذرائع سے جس قدر مال جمع کر لیا جائے' شریعت کی رو سے بالکل درست ہے بشرطیکہ اس میں سے زکوٰۃ نکال دی جائے۔ اسی طرح ترکہ میں بھی جس قدر مال اور جائداد چھوڑی جائے سب جائز ہے بس اس کی تقسیم شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ہونی چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ اگر لاکھوں روپے جمع کر کے رکھ لینے میں کوئی حرج نہیں اگر ان میں سے زکوٰۃ دی جائے اور بے حد و نہایت جائداد بنا لینے اور اسے چھوڑ مرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اگر وہ میراث کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہو جائے تو پھر' نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ سے کیا مفہوم ہے؟ اور وہ کن کے لئے اسوہ ہے؟ اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کی زندگی صرف رسولؐ اللہ کے لئے مختص تھی۔ عام مسلمانوں کے لئے نہیں تھی تو ایک تو یہ اس لئے صحیح نہیں کہ جتنے احکام رسولؐ اللہ کی ذات سے مخصوص تھے قرآن نے ان کی خود تصریح کر دی ہے۔ مثلاً ازواج مطہرات کو تبدیل نہ کر سکنے کا حکم یا ان کے امہات المومنین ہونے کا حکم۔ قرآن نے اس کی تصریح کہیں نہیں کی کہ حضورؐ نے جس قسم کی مالی زندگی بسر فرمائی تھی وہ ان احکام کے تابع تھی جو حضور کے لئے مختص تھے۔ پھر دوسری بات یہ کہ اگر حضورؐ کی یہ ساری زندگی احکام خصوصی کے تابع تھی جن کا اطلاق دوسرے مسلمانوں پر نہیں تھا تو یہ زندگی امت کے لئے اسوہ کس طرح بن سکتی ہے؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ حضورؐ کی زندگی مکمل اسلام کی مظہر تھی جس تک امت کے افراد نہیں پہنچ سکتے تو پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ زندگی جس تک پہنچنا' دوسرے افراد کے لئے ناممکن ہو وہ ان کے لئے اسوہ (ماڈل) کیسے بن سکتی ہے؟ یہ تصور قرآنی تعلیم کے بھی خلاف ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ چونکہ دنیا میں انسان بستے ہیں اس لئے ہم نے انسانوں میں سے رسول بھیجے۔ اگر یہاں فرشتے بستے تو ہم فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتے (۱۷/۹۵)۔ نیز قرآن میں اسوۂ حسنہ کا لفظ خصوصیت سے دو ہی شخصیتوں کے متعلق آیا ہے ایک حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں

کے متعلق (۴/۶۰) اور دوسرے نبی اکرمؐ کے متعلق (۳۳/۲۱)۔ حضرت ابراہیم کی جس خصوصیت کبریٰ کے تذکرہ کے بعد اسوۂ حسنہ' کہا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو لوگ اس پیغام خداوندی کے مخالف ہیں ان سے کوئی قلبی تعلق نہ رکھا جائے۔ بعینہ یہی حکم دوسری جگہ عام مسلمانوں کے لئے بھی آیا ہے (۱۳/۱۱۷) اس سے ظاہر ہے کہ اگر مسلمانوں کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے اس خصوصیت تک پہنچنا' ممکن ہوتا تو پھر انہیں بالتصریح اس خصوصیت کا حکم نہ دیا جاتا۔ یہی چیز نبی اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ پر صادق آتی ہے۔ یعنی اگر مسلمانوں کے لئے اس تک پہنچنا ناممکن ہوتا۔ تو اسے ان کے لئے اسوہ قرار کیون دیا جاتا؟

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ بات ناممکن کی نہیں بلکہ درجات کی ہے۔ جو مسلمان ان امور سے رک جاتا ہے۔ جنہیں شریعت نے ناجائز قرار دیا ہے تو وہ دین کے پہلے درجے میں آجاتا ہے اس کے بعد وہ جس قدر اس میں پختگی حاصل کرتا اور آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ رسولؐ اللہ ان مدارج کی بلند ترین سطح پر فائز تھے۔ لہذا پہلے درجہ کا مسلمان بھی متبع سنت ضرور ہوتا ہے۔ پھر جوں جوں وہ اتباع سنت میں ترقی کرتا جاتا ہے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے تا آنکہ وہ آخرالامر اسی رنگ میں رنگا جاتا ہے یہ ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس تیرہ سو سال میں امت کو اس آخری درجہ تک لانے کے لئے کیا کوششیں ہوئی ہیں؟ سابقہ تاریخ کو تو چھوڑیئے ہمارے دور میں تو یہی کیفیت ہے کہ جو مسلمان پہلے درجہ میں آجاتے ہیں انہیں مطمئن رکھا جاتا ہے کہ انہوں نے دین کا منشاء پورا کر دیا ہے اور وہ متبعین سنت رسولؐ اللہ بن گئے ہیں۔ بڑے بڑے زمیندار' کارخانہ دار' صاحب جائداد۔ وہ زراندوز جنہوں نے کروڑوں روپے جمع کر رکھے ہیں اگر وہ زکوٰۃ ادا کر دیتے ہیں یا ارباب شریعت کے بتائے ہوئے کاموں میں کچھ خیرات کا روپیہ دے دیتے ہیں تو انہیں متبعین شریعت ہونے کی سند مل جاتی ہے وہ خدا اور رسول کی رضا جوئی حاصل کر لیتے اور دین کا منشاء پورا کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ان سے کوئی نہیں کہتا کہ اتباع سنت اسی صورت میں مکمل ہو گی جب تم حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی میں ایسی زندگی بسر کرو گے کہ نہ تمہارے پاس کچھ جمع ہو اور نہ ہی تم کچھ ترکہ چھوڑو۔

ہم پاکستان کے ارباب شریعت سے دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ:

(۱) نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ کا جو مجموعی نقشہ کتب سیرت کی رو سے پیش کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) اگر وہ صحیح ہے تو امت کے لئے اس اسوۂ حسنہ کی اتباع ضروری ہے یا نہیں؟

(۳) اگر اس کی اتباع ضروری ہے تو جو لوگ لاکھوں روپے جمع کرتے اور کروڑوں کی جائدادیں بناتے ہیں' اور ساری عمر یہی کچھ کرتے رہتے ہیں۔ انہیں متبع سنتِ رسولؐ اللہ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

(۴) اگر وہ لوگ متبع سنت رسولؐ اللہ نہیں تو پاکستان کے مسلمانوں کو اس سنت نبویؐ پر چلانے کے لئے یہاں کیا کوششیں ہو رہی ہیں؟

اگر کوئی تحریک اس اتباع سنت کی دعوت دے اور ایسے اسلامی معاشرہ کے قیام کی کوشش کرے جس میں حضورؐ کے اس اسوۂ حسنہ کی اتباع ممکن اور آسان ہو جائے تو ایسی تحریک کی تائید کرنی چاہیے یا مخالفت؟

جو حضرات اس اہم موضوع پر سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہیں' طلوع اسلام نہایت خندہ پیشانی سے انہیں خوش آمدید کہے گا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر حبیب الرحمٰن خان' ایم ڈی

میں آج کیوں ذلیل؟

مرزا غالب کا ایک شعر بار بار یاد آیا

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

ساتھ ہی قرآن مجید کا یہ حکم ''**تتفکرو**'' غور و فکر کرو' **وامنو عملو الصالحات** نظروں کے سامنے آیا۔ میں نے سوچا کہ قرآن کریم کے ذریعہ ہی اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی مخلوق پیدا کی۔ انسان اور غیر انسان۔ غیر انسان کے ہر فرد کو ان کے فرائض اور ان کے حدود پیدائش کے ساتھ ہی ان کی ساخت میں شامل کر دیا گیا۔ لیکن انسانوں کے سلسلے میں انہیں علم، علم سیکھنے کی عقل اور قوت فیصلہ عطا کیا' لیکن عقل انسانی اپنے تحفظ و فائدہ کی طرف سوچتی ہے۔ عقل کے ذریعے اسے صحیح یا غلط راستے میں فرق کرنا نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف اوقات میں اپنے انبیاءؑ کے ذریعے وحی سے ان وقتوں کے انسان کو ان کے فرائض اور صحیح اور غلط راستوں سے آگاہ کیا۔ اس طرح انہیں اپنے کاموں کے لئے جوابدہ ہونا بتایا گیا۔ انسانی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔ نیکی کا انجام فلاح اور ترقی یعنی جزا برائی کا انجام' غلطی کے لحاظ سے سزا۔

انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے پروگرام کے لحاظ سے آتے رہے ان سب کو ایک ہی قسم کے احکام دیے جاتے رہے وحی کے ذریعے جب انسان کی عقل میں اتنی پختگی آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی' پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اپنا آخری پیغام مکمل طور پر قرآن مجید کی شکل میں 23 برس میں نازل کیا۔ یہ ہر لحاظ سے مکمل بھی تھا اور اس کے حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا۔ اس لئے س کے بعد کسی نبی کی ضرورت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعہ انسانیت کو مکمل طور پر قران مجید یعنی ہدایات اور احکام دیے جو کہ زندگی کے ہر گوشے کے لئے ہیں۔ ہمارے نبیؐ نے لوگوں کو یہ سمجھا کر ان پر عمل کروایا۔ یعنی ایمان اور عملی طور دونوں پر لوگوں کو عمل کرا کے تیار کیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے ان کی

وضاحت فرمائی۔

سب سے پہلے ایمان اللہ تعالیٰ پر ایمان رسول اللہ ﷺ پر دیگر انبیاء کرام پر ایمان ان کی طرف بھیجی ہوئی الہامی کتابوں پر' ایمان مرنے کی بعد کی زندگی اور اعمال کے جوابدہ ہونے پر' ایمان نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ پر ایمان اور عمل' بعض نہ تبدیل ہونے والے احکام پر ایمان کے ساتھ عمل پوری دنیا کے انسان کو ایک قوم سمجھنا اور ان کی عزت کرنا' علم حاصل کرنا' عدل و انصاف قائم کرنا' اپنے فرائض زندگی ہر شعبے میں پورا کرنا' معاملات مشورے سے طے کرنا' زندگی کے مختلف گوشوں میں تحقیق' قانون فطرت کو سمجھ کہ ان پر عبور حاصل کرنا اور انسانیت کے فائدے کے لئے استعمال کرنا' نقصان کے لئے نہیں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ یہ احکام جملہ انسانوں کے لئے تھے اور ہیں۔ جو نیک عمل کرے گا' نتیجہ پاتا ہے جو اس کی طرف توجہ نہیں دیتا نہ یقین کرتا ہے وہ نقصان میں رہتا اور تباہ و برباد ہو کے رہتا ہے۔ انسان کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے۔

اسلام کے ابتدائی دور میں اس کو سمجھ کر عمل ہوتا رہا ہے۔ بعد میں اسلامی ممالک نے ان کے طرف سے توجہ ہٹا دی نتیجہ میں ان کے یہاں مختلف طبقات بنتے چلے گئے دولت کی تقسیم صحیح نہ رہی چند امیر اور بہت زیادہ غریب ہوتے گئے۔ علم و تحقیق کو چھوڑنے کا نتیجہ ترقی کی راہیں خود بند کر دیں' عدل و انصاف باقی نہ رہا ہمارے روزمرہ جو ذمہ داریاں مختلف شعبوں میں آتی تھی اس سے غفلت برتی' اپنے عقائد میں اس قسم کی تبدیلیاں آنے دیں کہ قرآن کو صرف پڑھنا کافی ہے نہ سمجھ کر پڑھنا نہ اس پر عمل کرنا م۔ ہماری عبادت کی روح اور سمجھ بوجھ ختم کر دی گئی الفاظ کو دہرانا بغیر سمجھے اور احکام کی روح اور مقصدیت سے دور رسموں پر عمل کرنا' دین سمجھا جانے لگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: کیا تم اس نظام دیعنی قرآنی کو قائم رکھنا چاہتے ہو اس کی دو باتیں بنیاد ہیں۔ کتاب کا ہونا' (قرآن مجید کا) جس کا ذمہ حفاظت کا اللہ نے لے رکھا ہے دوسری وہ تنظیم جو اس پر عمل کر کے چلائے اور کسی قسم کی عملاً کمی نہ آئے دین' ایک مرکز کے ماتحت۔ قرآن تو مجود ہے لیکن وہ تنظیم اور مرکز مسلمانوں کا غائب ہے۔

آیئے اب ترقی یافتہ ملکوں پر نظر ڈالیں یہ حقیقت ہے کہ وہ ایمان جو قرآن سکھاتا ہے وہ نہیں مانتے یا انکار کرتے ہیں۔ لیکن وہ ہمارے فطرت کے قوانین پر عمل کرتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ قانون فطرت اپنے یعنی ایمان والوں اور غیر ایمان والوں میں قانون مکافات کے مطابق کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس کی چند مثالیں سامنے لے آئیں۔ ترقی یافتہ ممالک اپنے کے باشندوں کی اور غیر ملک کے باشندوں کی قابلیت اور تجربہ میں کوئی تمیز نہیں کرتے اس طرح قابل لوگوں کو اپنے ملک کی شہریت بھی دیتے ہیں کیا مسلمان ملک دوسرے ملکوں کے باشندوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرتے ہیں۔ اور اپنے ملک کی شہریت بھی دیتے ہیں؟

دوسری جنگ عظیم میں جاپان اور جرمنی تباہ ہو گئے لیکن انہوں نے اپنی ملک کی تعمیر میں مختلف رشتوں کو برابر کا

درجہ دیا۔ اب وہ دونوں ملک معاشی اور سیاسی حیثیت سے 2 اور 3 نمبر پر ہیں۔ قرآن مجید نے مرد اور عورت کو حقوق برابر دیے مرد اور عورت اپنے فرائض اور ذمہ داریاں برابر برابر انجام دیں۔ مرد جو کمائے وہ اس کا اور عورت جو کمائے وہ اس کا۔ اسی طرح مرنے کے بعد جائیداد کی تقسیم مرد اور عورت دونوں کے حصوں کا اعلان کیا۔ ان قرآنی احکام کے باوجود اس پر جب عمل کرنا چھوڑ دیا۔ مسلم گرتے چلے گئے مرد عورتوں کو برابر کے حقوق نہیں دیے جا رہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں دنووں کے انسانی حقوق برابر تسلیم کئے جاتے ہیں اور عورتیں مختلف ذمہ داریاں اور تحقیق کے کاموں میں برابر کی شریک ہیں۔

اب آیئے تعلیم کی طرف' اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبیؐ کے ذریعے پہلا لفظ جو انسانوں کو پہنچایا وہ تھا ''اقراء'' یعنی تعلیم حاصل کرنے کی ہدایت۔ ایک زمانہ تھا اسلام کے اولین دور میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم' تربیت اور تحقیق کے ذریعے انہیں صف اول میں پہنچا دیا۔ جب ہم اس تعلیم سے دور ہو گئے ایک ارب 25 کروڑ سے زائد مسلمان اور 56 یو این او کا ممبر ہونا کسی شمار میں نہیں آیا۔ مسلمانوں کے ممالک کی شرح تعلیم بہت ہی کم ہے۔ خصوصیت کے ساتھ بچیوں اور عورتوں کی۔ یہ ایک نصیحت ہے موجودہ مسلمانوں کے لئے کہ تنظیم و ترقی کے لئے تعلیم اور اسلامی تعلیم ہی بنیاد ہے جس کے ساتھ امن اور ترقی بھی حاصل کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں چند قوانین وضاحت کے ساتھ قرآن مجید میں دیئے گئے جب تک عمل ہوتا رہا ہم امن کے ساتھ ترقی کرتے گئے اور دیگر اقوام کو راستہ دکھاتے رہے۔ یہاں ان کی وضاحت کرتا چلوں کہ صرف ان قوانین کا پڑھ لینا یا ان کے متعلق تقریریں سننا کافی نہیں قاعدے قانون بنانے چاہئیں اور ان پر عمل کیا جائے ایمان کے ساتھ نیک عمل ضروری ہے۔

روس اور دیگر ممالک کے زوال کے تجربہ کے بعد ترقی یافتہ ممالک نے اپنی سوچ بچار کے بعد کئی صدیوں کی کوشش اور صلاح مشورں سے بعض نتیجے پر پہنچے' کام کرو' ایمانداری سے کرو' اس کو زندگی کا فرض سمجھ کر کرو' تنظیم کے ساتھ قانون پر عمل کرتے ہوئے کرو' حکومت کے واجبات ادا کرو' اس سے چوری کی سزا سخت دی جا رہی ہے۔

کیا یہ احکام انہیں وحی کے ذریعے دیے گئے نہیں وہ اپنے تجربات اور تحقیق کے بعد اپنی قوم کے انسانیت کی فلاح کے لئے مقرر کئے ایک بات یہاں ذکر کروں۔

اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے سے انسانی کوشش کم سے کم وقت میں نتیجہ حاصل کر لیتی ہے وہ برسوں کی لگاتار کوششوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے جو ہدایت قرآن اسے پہنچانا چاہتا ہے جہاں یہ بتایا گیا کہ ایمانداری سے کام کرو اور ان کی قیمت تمہیں ملے گی۔ وہ مغرب یا ترقی یافتہ ممالک نے اپنے تجربہ کے بعد موجودہ ٹیکس کا نظام نافذ کیا۔ اس وصول کردہ ٹیکس سے وہ کیا کرتے ہیں۔ غریبوں کی دیکھ بھال' ضرورت مندوں کی ضرورت' بیماروں کا علاج' اپاہج لوگوں کی دیکھ بھال' بے روزگار اور بوڑھے لوگوں کا انتظام اور یہ تمام قوانین کے ذریعہ نافذ کرتے ہیں

جن پر سختی سے عمل ہوتا ہے۔ دونوں حکومت اور عوام ایمانداری سے عمل کرتے ہیں۔

بتائیے کیا اسلام میں زکوٰۃ کے متعلق یہ تمام احکام چودہ سو سال پہلے نہیں دیے گئے کیا اس پر دور اول میں عمل نہیں ہوا۔ موجودہ زکوٰۃ کے متعلق اس کے عمل کے متعلق ہمارا ملک ہی میں اتنا کہنا کافی ہے دھیانی سے کیا جا رہا ہے۔

قرآنی احکام میں عدل اور انصاف کی کتنی اور بار بار ہدایت کی گئی ہے۔ عدل و انصاف امن بغیر کسی خطرے کے کم وقت میں حاصل ہو زندگی پر سکون گزرے۔ اسی طرح گواہی دینے کی ہدایت ہے ترقی یافتہ ممالک اس کی بنیاد پر حکومت اور معاشرتی قوانین میں سختی سے عمل کرتے ہیں۔

کیا یہ عمل اسلامی ممالک میں قرآنی قوانین کے مطابق ہوتا ہے جب ہوتا رہا اس کا نتیجہ امن اور ترقی اور سکون تھا۔ معاشرتی ترقی تھا بغیر کسی فرد پر بوجھ بنے ہوئے روپیہ کی تقسیم جائیداد کی تقسیم زکوٰۃ کا نظام' عوام اور حکومت کے افراد ایماندارانہ طریقے سے کرتے رہتے ہیں۔

یہاں پر ترقی یافتہ ممالک کی خرابیوں کا ذکر نہیں کر رہا وہ اپنے معاشرے کی خرابیوں سے واقف ہیں اور خوف زدہ بھی۔ ساتھ اس کے ان سے نجات حاصل کرنے کی ترکیبیں بھی سوچ رہے ہیں۔ فحش ننگے پن کی' شراب کے برے اثرات کی وغیرہ لیکن ابھی تک ان کا کوئی حل تلاش نہیں کر سکے۔

کیونکہ ان کے سامنے وحی کے احکامات نہیں اور اس پر یقین نہیں ہے زندگی کے مختلف شعبوں میں مشورے بحث و تمیز کا حکم دیا ہے۔ قرآن کے ذریعے ہم ان پر عمل نہیں کرتے۔ ترقی یافتہ ممالک ان پر عمل کرتے ہیں اور علم اور تحقیق پر زور دیتے ہیں۔ قوانین فطرت پر عبور حاصل کر لیا۔ سائنس اور تحقیق کے ذریعے کہ وہ چاند تک پہنچ گئے اور زندگی کے بیشتر اداروں کے متعلق ان کی ایجادات نے انسان کے مختلف شعبوں میں ترقی کی راہیں تیز سے تیز تر کر دیں۔

ہمارے یہاں خلافت اور افراد کو چنے اور صلاحیت اور قابلیت کے متعلق ذمہ داریاں سوچنے پر عمل ہوتا رہا۔ اب نہ کوئی سنٹر ہے اور نہ جماعت ان احکام کو سمجھ کر نافذ کئے بغیر سنٹر اور جماعت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ گو کہ مسلمانوں کی آبادی ایک ارب 25 کروڑ سے زائد ہے۔ 56 یو این او کے ممبران ہیں۔ مسلمانوں کا ایک نام کا ادارہ بھی ہے او آئی سی جس میں میٹنگ بھی ہوتی ہے۔ قراردادیں بھی پاس ہوتی ہیں۔ نتیجہ صفر ہمارے یہاں بادشاہ بھی ہیں' ڈکٹیٹر بھی' کتنے ممالک میں انتخاب ہوتے ہیں کہ منتخب افراد ذمہ داریاں سنبھالیں نہ کہ عوام کی تعلیم کی اہمیت ہے نہ تربیت کی نہ تنظیم کی نہ ذمہ داریوں کی نہ جواب دہ ہونا قانون مکافات عمل پر ایمان نہ زندگی کے اگلے دور کا خوف بداعمال کے بدلے پکڑے جانے پر ایمان یہ حقیقت ہے کہ ترقی یافتہ ممالک کو چونکہ وحی خداوندی پر ایمان نہیں اس دنیا کی زندگی کو سب کچھ سمجھتے ہیں لیکن اپنے تحقیق اور تجربے سے انسان کی فلاح بہبود اور ترقی کے لئے لگے ہوئے ہیں ترقی کر رہے ہیں۔ انسانی مشکلات کو حل کرنے کے لئے پہلے لیگ آف نیشن بنی اور اب یونائیٹڈ نیشن موجود ہے۔ کیا

دونوں انسانوں کے معاملات طے کر لینے اور لڑائی تباہی روکنے میں کامیاب رہی ہیں۔نہیں لیکن انہوں نے اپنی طرف سے کوشش تو کی جب تک عقل انسان وحی کے احکام کے زیراثر نہیں کبھی کامیاب نہیں ہوگا۔

ظاہران کی معیشت ترقی کر رہی ہیں لیکن سود کی لعنت نے اس کو اتنا جکڑ لیا ہے کہ وہ اس سے نجات حاصل کرنے کی کوشس کر رہے ہیں۔گو کہ قرآن نے سود کے نظام کو منع کیا ہے لیکن کیا مسلم مما لک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ شکر ہے کہ اس طرف کچھ دھیان دیا جا رہا ہے۔

ہمارے معاشی حالات جس کا اندازہ ملک کی G.D.P سے ہوتا ہے۔تمام مسلم ملکوں کو ملا کر بھی بہت کم ہے جب آپ کی معاشی حالت یہ ہے تو اپنے اپنے طور پر دفاع کے انتظام میں اپنی حفاظت کے لئے کتنے فی صد خرچ کر سکے ہیں۔حکم یہ ہے کہ اپنے دفاع کو مضبوط کرو تحقیق اور ایمانداری کے ساتھ حکم یہ ہے کہ اپنے دفاع کو مضبوط کرو تحقیق کے ذریعے اور ایمانداری سے کام کرنا ہے کہ آپ کی معاشی حالت بہتر ہو اور آپ اپنے طور پر خود کی حفاظت کیا نتظام کرنے کے قابل ہو جائیں۔تعلیم تربیت ایمانداری اور لگن کے ساتھ جوابدہ ہونے کے خوف کے ساتھ جب تک مسلمانوں نے قران کو سمجھ کر عمل کرنا شروع کیا۔ وہ ترقی کرنے لگے اور اپنی اعلیٰ صفات کی روشنی سے دوسروں قوموں کو متاثر کرتے تھے ہم اسلامی احکام کی روح کو سمجھے بغیر ان کے ظواہر (علامتوں) کے کرنے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ وہ نماز ہو روزہ ہو زکوۃ ہو یا حج ہو۔ ہر رکن عبادت آپ کو کچھ عمل کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔صرف الفاظ دہرانے نہیں کیا ہم عبادت سے ذمہ داریاں اور جوابدہ ہونا سیکھتے ہیں۔اگر یہ ہم نہیں کرتے تو اپنی حالت کے ذمہ دار بھی خود ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اسلامی احکام نظام عدل و مساوات کے قیام اور استحکام کے لئے کسی قدر جدوجہد کی ضرورت ہے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً ہمارے اجتماعات ہوتے رہیں جن میں باہمی مشوروں سے اس عظیم پروگرام کے طریقے سوچے جائیں انہیں احکام کا نام حج اور عمرہ ہے۔ یہ نظام جس کی حسین خوشگوار نتائج کا ذکر کیا گیا ہے۔اس کا مرکز کعبہ ہے کہ واجب الاحترام مقام ہے جو تمام انسانوں کے لئے احکام خداوندی کا سرچشمہ قرار پائے گا۔اس مرکز کی تاسیس ابراہیمؑ کے ہاتھوں عمل میں آئی تھی تاکہ انسانوں کی حکومت صرف اللہ کی رہ جائے۔

ہم نے ابراہیمؑ سے کہا تم لوگوں میں اعلان کر دو کہ وہ اپنے معاملات میں آخری دلیل وحجت (فیصلہ) کے لئے یہاں آئیں یہاں اسی لئے آئیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ یہ نظام نوع انسان کی منفعت کے لئے کیا کچھ کر رہا ہے۔کھائیں پیئیں اور باہمی مشاورت سے وہ تدبیر بھی سوچیں جن سے ان کی زندگی کی تمام کثافتیں دور ہو جائیں اور وہ ان ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہوسکیں۔جنہیں انہوں نے نوع انسان کی فلاح و بہبود کے سلسلہ میں اپنے اوپر عائد کر رکھا ہے۔ یہ تمام نوع انسانی کو سامان نشوونما بہم پہنچائیں گے۔ ان احکام کو نافذ کریں جنہیں قانون خداوندی جائز

اور صحیح تسلیم کرے اور ان تمام ایسے کاموں سے روکیں جنہیں وہ جائز قرار نہیں دیتا ہے۔ اس طرح وہ بحث تمیز اور باہمی مشاورت کے بعد اپنی نظر ہر معاملے کا فیصلہ قانون خداوندی کے مطابق اور ہر شعبہ زندگی کا خیال رکھتے ہوئے خطبہ حج 9 بتاریخ ذی الحج کا اعلان کریں 10 تاریخ کو باقی مسلمان اور دیگر افراد اس سے واقف ہو جائیں۔

سال بھر ہم اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے کام کریں مختلف شعبہ زندگی میں دوسرے سال ذی الحج کی ابتداء میں دوبارہ اکٹھے ہو جائیں۔ ماہرین، سائنس دان، عالم مختلف شعبہ ہائے زندگی کے تاکہ اس بات کا جائزہ لیں کہ اس شعبہ زندگی میں کس حد تک کامیاب ہوئے۔ جن میں وہ کامیاب نہ ہوئے ہوں ان کی وجوہات دریافت کی جائے اور نئے مشاغل یا کچھ برائے جو کامیاب نہ ہوا ان کو سامنے رکھ کر ہر حصہ زندگی کے لئے مسلمان عالم کے بالخصوص اور عالم انسانی کے لئے بعلموم پھر سے نئے سال کا نعب العین متعین کریں اور بحث وتمحص کے بعد ایک رائے قنام کریں اور 9 تاریخ خطبہ الحج میں اعلان کریں تاکہ وہ دوسری ہجری میں اس پر عمل ہوتا جائے۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ یہ قوانین ترقی یافتہ لوگوں میں زیادہ لوگ اسپر عمل کرتے ہیں۔ لیکن ترقی پذیر مما لک میں جلد ملنے والا عدل وانصاف نہیں روپیہ کی تقسیم غلط، دیگر سوشل خرابیاں رشوت، کام چوری اور دیگر خرابیون سے اکثر ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خرابیوں کو ایک حد تک برداشت کرتا پھر سزا دیتا ہے جو قوم صحیح راستے سے ہٹ جائے یہ صحیح ہے کہ ترقی یافتہ مما لک نہ ایمان رکھتے ہیں نہ وحی پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اکثر زندگی بھر قانون فطرت کے نہ تبدیل ہونے والے قوانین پر عمل کرتے ہوئے ترقی کر رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں مسلمانوں او آئی سی کا ادارہ موجود ہے ہم اسے اتنا مضبوط بنائیں کہ یہ سیکٹریریٹ کے فرائض انجام دے سکے اس کے جنرل اجلاس بھی ہونے چاہئے اور مجلس نافذہ کے بھی ان کے سیکٹری جنرل اور ان کے نائب بھی ہوں اور زندگی کے ہر شعبہ زندگی کے لئے مختلف کمیٹیاں بھی مثلاً تعلیم و تربیت جدید سائنس ان کی ترقی اور ٹیکنالوجی کی ترقی اشاعت ہر ذریعہ ابلاغ کے ذریعے ہر ملک میں ہر زبان میں مختلر موثر انداز میں زراعت، جنگلات اور ان کی ترقی منرل (Minrel) ریسورسز سے فائدہ حاصل کرنے کے اصول اور استعمال تجارت وضعت (Mill) اور کارخانے صحت و معاشی ماحول پر ایک نظر قانون عدل وانصاف، قانون نافذ کرنے اور بنائے ملک کے اندر امن وامان اور باہر کے ملکوں کے لئے برابر کی تیاری اسلامی قوانین اور ایک معاشرتی تربیت اور نفاذ آمدنی کے مختلف ذریعوں سے وصول کی ہوئی رقم اس کا ہر شعبہ زندگی میں مناسب خرچ اس طرح کہ کوئی شعبہ باقی نہ رہ جائے۔ خاص طور پر اپنی معاشیات اور خود کے تحفظ کی طاقتوں پر ہر وقت نظر رکھنا ہے۔ سائنس اور عملی تحقیقات میں دوسروں سے کم نہیں رہنا ہے۔

یاد رکھو ان اجتماعات کا اصل مقصد تو قوانین کی نگہداشت کرنا ہے۔ ان اجتماعات میں شریک انہیں کو خاص

طور پر ہونا ہے جو عقل وبصیرت کی رو سے سوچ سکیں انہیں عملاً نافذ کرنے کی صورتیں کیا ہیں اس کی دوبارہ یاددہانی کرا دوں کہ جماعت مومنین کو ایمان کے راستے پر قائم رکھنے کی دو بنیادی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک قوانین خداوندی اپنی اصلی شکل میں انسان کے سامنے ہوں۔ دوسرے ان قوانین پر عملی طور پر چلانے کے لئے ایک زندہ اتھارٹی اور سنٹر موجود ہو۔ اللہ کی کتاب موجود ہے زندہ اتھارٹی آپ کو موجودہ زمانے میں پیدا کرنی ہے۔ خارجی کائنات میں اللہ کے قوانین از کود کارفرما ہیں انسانی دنیا میں اسے نافذ کرنے کے لئے انسانوں کی جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مقصد ہے جس کے لئے ہم نے جماعت مومنین تمہیں اٹھا کھڑا کیا کہ ایسا نظام قائم کریں جو عالمگیر انسانیت کے لئے نفع رساں ہو۔ انسان کی تقسیم خون رنگ قومیتوں کی بجائے ایمان یا Ideology کی بنا پر ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی محمد چدھڑ

اَلْمَسْجِدُ

مادہ۔س ج د

اَلْمَسْجِدُ پیشانی کو کہتے ہیں جو زمین پر رکھی جاتی ہے اور **اَلْمَسْجِد** اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سجدہ کیا جائے۔ یہ اسم ظرف ہے جس کے معنی سجدہ کرنے کی جگہ اور سجدہ کا وقت دونوں ہو سکتے ہیں۔ سورہ کہف میں ہے کہ لوگوں نے ان نوجوانوں کے غار کے مقام پر مسجد بنا دی۔ 18/21۔ یعنی وہ مجاہد تھے لیکن بعد میں لوگوں کی نگاہوں سے یہ تصور اوجھل ہو گیا۔ اور جیسا کہ اکثر ہوتا ہے۔ ان کی یادگار میں ایک خانقاہ یا مقبرہ تعمیر کر دیا گیا۔ جو سجدہ گاہ انام ہو گیا۔

سورہ بنی اسرائیل میں یہودیوں کے ہیکل کو مسجد کہہ کر پکارا گیا ہے 17/7۔ سورہ التوبہ میں ان مساجد کا بھی ذکر ہے جن کی بنیاد تقویٰ پر رکھی جاتی ہے 9/108 اور ان مساجد کا بھی جن کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور جسے قرآن کریم نے کفر سے تعبیر کیا ہے اور مخالفین نظام خداوندی کے لئے پناہ گاہ کہہ کر پکارا گیا ہے 9/107۔ قرآن کریم نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا ہے 30/31 اور واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ مشرکین کو اس کا حق حاصل نہیں کہ وہ اللہ کی مساجد کو آباد کریں۔ اس نے اعلان کر دیا کہ 72/18 مساجد صرف اللہ کے لئے ہیں سو اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو۔ فرقہ بندی شرک اس لئے ہے کہ اس میں خالص اللہ کے قوانین کی اطاعت نہیں ہوتی۔ خالص اللہ کی (قوانین خداوندی) کی اطاعت کرنے سے امت میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ قرآن کریم نے اپنے من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ دی ہے کہ اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔

جس طرح سجدہ سے مراد صرف سر کو زمین پر رکھنا نہیں۔ بلکہ اس کا مفہوم قوانین خداوندی کے سامنے سر جھکا دینا بھی ہے۔ اسی طرح مسجد سے مراد بھی بالخصوص وہ عمارت نہیں جس میں نماز ادا کی جاتی ہے۔ اس سے مراد وہ مقام ہے جو اس نظام کا مرکز ہے۔ جس کی رو سے قوانین

خداوندی کی اطاعت کی یا کرائی جاتی ہے۔

کعبہ کو مسجد الحرام کہا گیا ہے 48/27۔ تو اس جہت سے نہیں کہ وہ ایسی عمارت ہے جس میں سجدہ کیا جاتا ہے بلکہ اسلئے کہ وہ اللہ کے نظام کا مرکز ہے۔ وہ اس امت کا مرکز محسوس ہے جس کی خصوصیت مسلمۃ 2/128 بتائی جاتی ہے۔ یعنی قوانین خداوندی کے سامنے جھکنے والی۔

چونکہ نبی اکرم ﷺ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے بعد مدینہ کو حکومت خداوندی کا مرکز قرار پانا تھا۔ لہٰذا قرآن کریم میں شب ہجرت کے تذکرہ کے سلسلہ میں مدینہ کو مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) پکارا گیا ہے۔ **سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجدالحرام الی المسجد الاقصا الذی برکنا حولہ لنریہ من ایٰتنا 17/1**۔ وہ ذات نقائص سے پاک ہے۔ جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد الحرام (مکہ) سے نکال کر اس دور کی مسجد (مدینہ) کی طرف لے گیا۔ جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا تھا تا کہ ہم اسے اپنے قوانین کی نشانیاں دکھائیں۔

یہ وہی آیات یا نشانیاں تھیں جن کے متعلق حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف جانے کا حکم دیتے وقت کہا گیا تھا۔ **لنریک من ایٰتنا البریٰ 20/23**۔ تا کہ ہم تمہیں بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں۔ یہ آیات آویزشِ حضرت موسیٰ اور فرعون میں حضرت موسیٰ کی کامیابی تھی اور یہی وہ آیات خداوندی تھیں جن کا مظہر ہجرت کے بعد مدینہ کو بننا تھا۔ یعنی جماعت مومنین کو باطل پر غلبہ کامرانی۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آجاتی ہے کہ مسجد کی عمارت صرف نماز پڑھنے کے کام کے لئے مخصوص نہیں۔ اس میں اسلامی مملکت کے مختلف امور سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ قرآن کریم کی رو سے عبادت اور عام دنیاوی امور میں فرق ہی نہیں کیا جا سکتا۔ عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں۔ اور دنیا کا کوئی کام جو قوانین خداوندی کے مطابق کیا جائے عبادت ہو جاتا ہے اور اجتماعات صلوٰۃ بھی چونکہ قوانینِ خداوندی کی اطاعت ہے اس لئے وہ بھی عبادت ہے اور اس عبادت کے لئے کسی ایسے الگ مکان کی ضرورت نہیں جس میں اور کچھ نہ کیا جا سکے۔

قرآن کریم میں مسجد کا استعمال مختلف اغراض و مقاصد اور مختلف معانی میں ملاحظہ ہو۔ چند مثالیں:

<u>مکہ کے مرکز سے مدینہ کے مرکز کی طرف ہجرت کے واقعہ میں ان مراکز کے لئے لفظ مسجد کا استعمال۔</u>

اللہ کی سکیمیں بڑی بلند و برتر ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی سکیم کے مطابق اپنے بندے کو ایک رات مکہ کے مرکز محترم سے نکال کر ایک دور کے مرکز (مدینہ) کی طرف لے گیا جس کا ماحول بابرکت اور فضا نظامِ خداوندی کے لئے بڑی سازگار ہے تا کہ اللہ کے قوانین کو آشکارا کر دیا جائے۔ (17:1)

<u>مسجد اطاعتِ خداوندی کے معنوں میں</u>

کہو میرا پروردگار حکم دیتا ہے عدل و توازن کی زندگی بسر کرنے کے لئے۔ تم اپنی تمام توجہات کو قوانین خداوندی پر مرکوز رکھو اور ان کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کر دو۔ (17:29)

<u>اور منافرت و تفرقہ بازی کے گڑھ مسجدیں</u>

یہ لوگ مسجد تعمیر کرتے ہیں کہ نظام خداوندی کو نقصان پہنچائیں اور کفر کی راہیں کشادہ کریں اور مومنین کے

درمیان فرقہ بازی پیدا کر دیں۔ اور کمین گاہیں مہیا کر دیں۔ نظام خداوندی کے دشمنوں کے لئے۔ یہ لوگ ہزار تسلیاں دیں کہ ان کا مقصد نیک ہے لیکن اللہ شہادت دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ لہٰذا ہرگز کسی ایسی مسجد میں قدم نہ رکھنا۔ یاد رکھو یہ حکم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ (9:107)

<u>جس مسجد کی بنیاد ہی غلط مقاصد پر رکھی گئی ہو</u>

دیکھو جس مقصد کی بنیاد ہی غلط مقاصد پر رکھی گئی ہو وہ لوگوں کے دلوں میں بے یقینی اور اضطراب بڑھاتی رہے گی تاکہ ان کے دل باہمی حسد و بغض سے پارہ پارہ ہو جائیں یہ وہ حقائق ہیں جو اللہ کے علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ (9:110)

<u>اور جس مسجد کی بنیاد قوانین خداوندی کی اطاعت پر رکھی گئی ہو</u>

اور جس مسجد کی بنیاد ہی پہلے روز سے قوانین خداوندی کی اطاعت پر رکھی گئی ہو وہ اس بات کی مستحق ہے کہ اس میں قدم رکھا جائے اس میں وہی لوگ آتے ہیں جو فرقہ بندی اور گروہ سازی سے پاک و صاف رہتے ہیں اور اللہ ایسے پاکباز لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ (9:108)

<u>دو طرح کی مساجد</u>

پھر کیا وہ بہتر ہے کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد قوانین خداوندی کی پیروی پر اور منشائے خداوندی سے ہم آہنگی پر رکھی۔ یا وہ بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک ایسی کھائی کے کنارے پر رکھی ہو جو اسے لے کر جہنم کی آگ میں جا گرے۔ یاد رکھو زندگی کی کامرانیوں کی راہیں ان قوموں پر نہیں کھلا کرتیں جو چیزوں کو ان کا صحیح مقام نہیں دیتیں۔ (9:109)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمیل احمد عدیل

سرزمینِ آسمان میں چند روز

(زیرِ طبع سفرنامہ حجازِ مقدس سے ایک باب)

جب سے عزمِ سفر باندھا تھا ایک نکتہ سب نے اچھی طرح ذہن نشین کروا دیا تھا کہ کعبۃ اللہ کو پہلی بار دیکھنے کے بعد اور پلک جھپکنے سے پہلے جو دعا مانگی جائے' وہ لازماً قبول ہو جاتی ہے۔ اپنی طلب کو کئی ہفتوں کی ریاضت سے ایک جملے کی صورت متعین کر لیا ہوا تھا۔ اب ''قبلہ بمقابلہ قبلہ'' کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔ یکا یک یہ سوچ آئی اس گھڑی جو دیکھنا ہے اس کو میرے مطالبے نے معاذ اللہ کم تر کر دیا ہے۔ کیا جسے دیکھنا ہے وہ مدعا زیادہ اہم ہے یا میری وہ دعا۔ دیکھنا بھی مجھے ہے' دعا بھی میری پوری ہو گی۔ میں ہی اہم ہوا۔ تف ہے مجھ پر کہ یہ سارا سفر اس لیے کیا ہے کہ مجھے ترفع نصیب ہو۔ میری ہی انا کا مکان Renovate ہو۔ تو جو سامنے ہے وہ کیا ہے؟

منزل کا اشتیاق ہے گم کردہ راہ ہوں
اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں

صاحبو! نفی کا اثبات کرنے کے باوجود اثبات کی نفی میں کامرانی نہ ہو سکی۔ اپنی طلب کو فصاحت و بلاغت کا پیرہن پہنا کر بڑی توجہ سے جو دعائیہ کلمہ تیار کیا ہوا تھا' اسے زبان سے ادا کروانے کے لیے اپنے آپ کو تیار کیا اور نگاہیں اوپر اٹھا دیں۔ مگر نہیں At the First Blush یہاں تو کوئی کعبہ نہ تھا۔ کیا میری مراد کا نہنگ کعبہ کو بھی نگل گیا تھا؟ سوچا نظر یقیناً کسی التباس کا شکار ہوئی ہے جو نظر آ رہا ہے یہی کعبہ ہو گا۔ تحیر اور طلب کے ساتھ وابستگی نے پلک کو جھپکنے ہی نہیں دیا' مگر یہ حیرانی زیادہ سے زیادہ تین چار سیکنڈز پر محیط تھی۔ ہوا یہ تھا کہ رخ ذرا سا زیادہ دائیں جانب ہونے کی وجہ سے نگاہیں جب اٹھائیں تو ان کے سامنے باب صفا تھا۔ پھر جو ذرا بائیں طرف نظر گھمائی تو سامنے اللہ کا گھر موجود تھا۔ یہ چالاکی کر کے پلک جھپکے بنا دعا مانگ لی' اپنا کام تو نکلواؤ' جو سامنے ہے' یہ کہیں نہیں جاتا' یہ بھی یہیں ہے ہم بھی یہیں ہیں' جی بھر کے دیکھ لیں گے' دیکھتے رہیں گے۔

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ:

دھت تیرے کی' منفعت پرست بیوپاری۔ اندر سے کسی نے زناٹے دار تھپڑ رسید کیا...... بارگیننگ ...... بارگیننگ ...... ساری عمر اسی پلس مائنس میں گزار دی۔ اب اللہ کے بنک میں بھی ڈیبٹ کریڈٹ کو حاضر ناظر یقین کیے ہوئے ہو......

پھر سوچا شاید یہاں مخصوص دعا کو مرکوز کروانے کے عقب میں یہی حکمت کارفرما ہو کہ بندے کی طلب کا امتحان لیا جائے' اسے کیا چاہیئے؟ کیا وہ چاہنے سے دو گھڑیوں کے لیے بے نیاز ہونے میں کامیاب ہوتا بھی ہے یا نہیں؟ کیا یہ صرف دلِ بے مدعا کی مانگ تک خود کو محدود کر سکتا ہے؟ اوپر والا بھی بڑی شے ہے' آزمائش اس کا مشغلہ ہے' دلپسند' محبوب مشغلہ۔

دعا۔ ایک مشکل تر مسئلہ: دعا کی بات چل نکلی ہے تو کھلے دل سے اعتراف ہے کہ ہم ''دعا'' کے دل و جان سے قائل ہیں اور اس مناسبت سے دو ایک باتیں عرض کرنے کی اجازت چاہیں گے۔ دعا بے شک روایتی عبادت کا سب سے دلکش اور کومل زاویہ ہے۔ اصولاً حسن و خوبصورتی کو تجزیے کے سپرد کرنا بدذوقی ہے کہ تجزیہ اپنی فطرت میں ایک بے رحم سروہی ہے۔ بہرطور بصد معذرت اتنا کہنا ہے کہ عام انسان اپنی ضرورتوں کا قیدی ہے' اپنی آرزوؤں کا اسیر ہے۔ یہی مقتضیات' یہی تمنائیں اسے دعاؤں پر مجبور کرتی ہیں' جس کام کو وہ کسی کی مدد کے بغیر کر سکتا ہو اس کے لیے وہ دعا کا سہارا نہیں پکڑتا' لیکن دنیا میں کون سا ایسا انسان ہوا ہے جو ہر کام کرنے پر قادر ہو لہٰذا کہیں نہ کہیں ہر کسی کو دعاؤں کے آسرے کو تھامنا ہی پڑا ہے۔ یہی اس کی ''تقدیر'' ہے' تو کیا ایک انسان کو اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں میں اضافہ کرنا چاہیئے یا زیادہ سے زیادہ دعاؤں پر بھروسہ؟ مذہب کی روایت دوسرے حصے کی مؤید ہے جبکہ دین کی روح پہلے جزو کی بھرپور تائید کرتی ہے کیونکہ مذہب میں عبادت بندے کو اللہ سے جوڑنے کی دعویدار ہے اور یہ ''تعلق باللہ'' خالص نجی اور ذاتی نوعیت کا ہوتا ہے جس میں کسی رہنما اصول کا اور چھور نہیں ملتا جبکہ دین میں عبادت کا مفہوم قوانین خداوندی کی پیروی ہے جو واضح اور متعین اصولوں کے سنگ میل اپنے بطون میں مزین کیے ہوئے ہوتا ہے۔

تقدیر کے مروج مذہبی تصور کے پیروکار کی خواہشیں بے لگام ہوتی ہیں جبکہ اس کے ارادے زنجیروں سے بندھے ہوتے ہیں' دوسری طرف دین کے متبع کی آرزوئیں اور ارادے دونوں بیک وقت آزاد ہوتے ہیں۔ مراد یہ کہ اب تک وہ مرکز گریز قوت وجود میں نہیں آسکی جو مومن کی آرزو کو قانون خداوندی کے مدار سے نکال باہر پھینکے۔ لہٰذا یہ عمل شعور کی کامل بیداری کے ساتھ وجود پذیر ہوتا ہے کہ اس کی آرزوؤں کی عنان ہر لحظہ اس کے ارادے کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ جب اس کی آرزو قانون خداوندی سے باہر ہی نہیں نکلے گی تو اسکے قبول نہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور قانون خداوندی کیا ہے؟ یہی ہے کہ اپنی جائز آرزو کی تکمیل کے لیے اٹھو اور حدود شریعت کے اندر رہتے ہوئے سعی و کوشش کرو نتیجہ لازماً مطلوبہ ہی سامنے آئے گا۔ یہ Pragmatic Test کا طریق کار ہے جیسے چاہو' جب چاہو جہاں چاہو آزما کر دیکھ لو' عمل بھی متعین ہیں نتائج بھی متعین۔ یہی ''تقدیر'' ہے۔ وگرنہ دعا کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ بندہ جب اللہ سے مانگتا ہے' اللہ اپنا ارادہ بدل دیتا ہے۔ یعنی اگر اس نے دینا پہلے سے طے کیا ہوا تھا تو دعا

مسترد ہونے کا مطلب ہے اسنے اپنا ارادہ بدل دیا۔ گویا اب نہیں دے گا۔ اگر یہ طے تھا کہ نہیں دینا اب بندے نے دعا کی شکل میں درخواست دائر کردی اور دعا قبول ہوگئی تو اس کا مطلب واضح ہے کہ ارادۂ خداوندی تبدیل ہوگیا۔

مگر صاحبو! مشکل سوال یہ ہے کہ آخر بندے کے پاس وہ کون سا پیمانہ ہے جس کی مدد سے وہ معلوم کرسکتا ہے کہ اللہ نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے؟ اسے مثال سے واضح کرتے ہیں' ایک شخص بیمار ہوگیا' حتیٰ کہ مرنے کے نزدیک پہنچ گیا اب اس نے خود اور کسی مستجاب الدعوات' نے خوب تضرع کے ساتھ اس کے حق میں دعائیں کی' یوں وہ مریض صحت یاب ہوگیا۔ اب یہی کہا جائے گا کہ دعائیں قبول ہو گئیں اور وہ قریب الموت شفایاب ہوگیا۔ یعنی اگر اسکے لیے کی گئی دعائیں قبول نہ ہوتیں تو وہ یقیناً مرجاتا۔ مراد یہ کہ دعا نے تقدیر بدل دی۔ لیکن یہ کون ثابت کرے گا کہ اس کی تقدیر میں مرجانا لکھا تھا؟ اس کا بچ جانا ہی بین ثبوت ہے کہ اس نے نہیں مرنا تھا' کیونکہ تقدیر تو ٹل نہیں سکتی۔ تقدیر کا تو مبینہ مفہوم ہی یہ ہے کہ خدا نے جو طے کرلیا وہی ہونا ہے چاہے کچھ ہو جائے۔ اب آگے بڑھتے ہیں اس سے متصل دوسرے سوال کی جانب' کیا خدا نے سب کچھ طے کر دیا ہوا ہے؟ اگر مشیت ایزدی میں سب کچھ پہلے سے طے ہے تو مطلب واضح ہے کہ انسان بھی باقی مظاہر فطرت کی طرح مجبور محض ہے' پھر اس کی کوششیں بھی طے ہیں اور ان کے مثبت منفی نتائج بھی طے ہیں' لہٰذا اس پر پھر سزا و جزا کے قانون کا اطلاق قطعی بے معنی ہے۔ ہاں انسان اگر صاحب اختیار ہے اس کے سامنے کھلے امکانات کا جہان آباد ہے پھر ہی وہ جزا کا حقدار اور سزا کا مستحق قرار دیا جا سکتا ہے۔ مکافات عمل' عذاب' مرنے کے بعد جی اٹھنا' قیامت' میزان' جنت' دوزخ...... ان سب کا تبھی جواز پیدا ہوگا وگرنہ اللہ کی مرضی سے گناہ کیا' اس نے جہنم میں پھینک دیا اس سے کیا خدا کا عادل ہونا ہی مشکوک نہیں ہوجائے گا؟

البتہ ایک درمیانی موقف یہ اپنایا گیا ہے کہ خدا نے بندے کو خیر وشر کے انتخاب کی آزادی تو مکمل دی ہوئی ہے لیکن چونکہ وہ علیم مطلق ہے لہٰذا وہ جانتا ہے بندہ کیا کرے گا اور کیا نہیں کرے گا۔ دوستو! یہ اور بھی ٹیڑھا سوال ہے کیونکہ خدا اگر پہلے سے 'قبل از ازل' سب کچھ جانتا ہے تو پھر اس کے علم کی نفی تو ہو نہیں سکتی یعنی جو وہ جانتا ہے عین مین وہی ہوگا' اس طرح بھی بندہ بے چارہ مجبور محض ہی ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے متعلق خدا جانتا ہے کہ وہ دو سال بعد ایک قتل کرے گا۔ اب بھلے وہ Freedom of Choice کے پیدائشی حق سے استفادہ کرتے ہوئے قتل عمد کا خود مرتکب ہوا لیکن خدا چونکہ جانتا تھا یہ قتل کرے گا اس لیے یہ ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ قتل نہ کرتا لہٰذا علم خداوندی نے بندے کے افعال و اعمال کو متعین و مقید کر ڈالا: ظاہر ہے ایسے موقع پر دعا بھی بے اثر ثابت ہوتی' یعنی وہ قاتل قبل از قتل یہ دعا کرتا' اے اللہ! مجھ سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد نہ ہو۔ مگر خدا چونکہ جانتا تھا کہ اس نے فلاں وقت میں قتل ایسا گناہِ کبیرہ کرنا ہے لہٰذا اس کی دعا منظور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

پیارے قارئین! آپ کو اس نازک مقام پر تھوڑی دیر کے لیے اور ٹھہرنا ہوگا' کیا اس بندے کا دعا کرنا اس کی اپنی مرضی سے تھا؟ خدا تو چونکہ علیم مطلق ہے لہٰذا وہ یہ بھی جانتا ہوگا اس بندے نے دعا کرنی ہے اور میں نے اسے منظور نہیں کرنا گویا خود ہی دعا کروائی' خود ہی نامنظور کر دی' پھر خود ہی قتل کروا دیا' خود ہی سزا کے دوزخ میں پھنکوا دیا۔ یارو! خدا کے لیے خدا پر کچھ تو رحم کریں' ایسا بے انصاف تو کوئی گیا گزرا بشر بھی نہیں ہوسکتا' وہ تو پھر خدا ہے اس کائنات کا خالق ہے۔ مالک ہے۔

ایک مثال اور پیش خدمت ہے۔ حضورﷺ نے اللہ کے حضور دعا کی' عمرو بن ہشام اور عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو ایمان عطا فرما دے تاکہ اسلام کو مضبوطی ملے۔ اب عام عقیدے کے مطابق تو اللہ چونکہ قادر مطلق بھی ہے اور علیم مطلق بھی لہٰذا وہی ہوگا جو وہ چاہے گا سو اس روایتی پس منظر میں تو اللہ معاف فرمائے' اللہ کی چاہت یوں سامنے آتی ہے کہ اس نے دونوں اصحاب کو پہلے خود ہی گمراہ رکھا' اسلام اور حضرت محمدﷺ کی مخالفت میں انہیں ترقی دے کر شدید ترین معاندین بنا دیا' پھر خود ہی حضورﷺ سے کسی ایک کو مومن بنانے کی دعا کروائی (ویسے اللہ یہ دعا دونوں بلکہ کل کفار کے حق میں کروا کر اور پھر اس دعا کو قبول فرما کر سارے مسائل کو ایک آن میں حل کرسکتا تھا۔ کبھی غور کیجئے گا اس نے ایسا کیوں نہیں کیا؟) پھر چونکہ وہ جانتا تھا نیز اس کی مرضی بھی یہی تھی کہ عمرو بن ہشام گمراہ رہے اور عمر بن خطاب ہدایت یافتہ۔ سو ایسا ہی ہوا۔ ایسا ہی ہونا تھا کہ ظاہر ہے سب کچھ اس کے علم کے مطابق ہی وقوع میں آئے گا۔

مگر ہم یہاں بڑے ادب سے پوچھتے ہیں عمرو بن ہشام کا کیا قصور تھا کہ وہ ابوالحکم ہوتے ہوئے رہتی دنیا میں ابوجہل کے نہایت برے نام سے یاد رکھا جائے گا اور آخرت میں جہنم کا ایندھن بنے گا اور عمر بن خطاب کا کیا کمال ہوا کہ وہ سدا شاہکار رسالت کے باعزت نام سے پکارے جائیں گے اور آخرت میں اعلیٰ جنت کے حقدار قرار دیئے جائیں گے؟ اگر ابوجہل نے خود اپنی مرضی سے جہالت کا باپ بننے کی ذلت قبول کی تھی اور سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے اختیار سے ایمان کی دلکش نعمت کو اپنے سینے سے لگایا تھا پھر تو بات سمجھ میں آتی ہے وگرنہ تو خاکم بدہن نرا گھپلا ہے۔

اور واقعہ تو بس اتنا ہے کہ مذکورہ دونوں شخصیات غیر معمولی صلاحیتوں کی بہرحال مالک تھیں' حضورﷺ کی تمنا کا محور اسلام کی ترقی تھا' سو وہ دل سے چاہتے تھے کہ مخالفین میں جو اعلیٰ استعدادوں کے لوگ ہیں وہ بھی تحریک اسلامی میں شامل ہوں تاکہ یہ پودا جلد نشوونما پائے' ابوجہل کا (خود ساختہ) خبط عظمت قبول ایمان کی راہ میں ایسا صحرا ثابت ہوا جسے وہ عبور نہ کرسکا اور مرتے دم تک اپنے جہل وغرور وتمرد پر اپنی مرضی سے قائم رہا۔ جبکہ حضرت عمر فاروقؓ نے خوب غور وتدبر اور بصیرت سے کام لیا اور اس مرد حر نے مکمل آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کیا کہ انہیں اس جماعت میں شامل ہو جانا چاہئے کہ یہی قوانین خداوندی کا حقیقی اتباع کرنے والی ہے' سو اطاعت وانقیاد سے کام لیتے ہوئے وہ فرزانہ

دیوانہ وار آگے بڑھا اور اپنا ہاتھ حضورﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ نہ اللہ نے ان میں سے کسی پر جبر کیا' نہ حضورﷺ نے انہیں مجبور کیا۔ سب اپنی مرضی سے ہوا' کامل آزادی سے ہوا۔اس لیے تو دونوں کے مقامات الگ الگ ہیں۔

جی! اب اس مرحلے میں ضروری ہو جاتا ہے کہ 'علم خداوندی' کا کسی اور طرح سے تعین کیا جائے۔ پیچیدگی یہاں سے پیدا ہوتی ہے کہ ہم خدا کو انسان پر قیاس کرتے ہیں' یہ ہماری کوتاہ فہمی ہے کہ ہم خیال کرتے ہیں جس طرح انسان عالم ہے اسی طرح خدا عالم ہے۔ درآں حالیکہ اس کا جاننا بھی انسان کے جاننے سے مختلف ہوگا جس طرح خود خدا انسان سے قطعی مختلف 'چیز' ہے۔انسان خدا کی 'نوع' سے تو بہرنوع نہیں۔ ہمارا گمان ہے خدا کا جاننا اس طرح کا ہوسکتا ہے کہ اس نے اشیاء میں خواص رکھ دیئے ہیں۔ مثلاً لوہے میں یہ خاصیت رکھ دی کہ وہ پانی میں ڈوب جائے گا' تو عالم امر میں اللہ کی طرف سے اس خاصیت کا اس طرح رکھ دیا جانا' لوہے کی 'تقدیر' ہے۔ یہی علم خداوندی ہے۔ جو دوسرے کا حق سلب کرے گا اس کی ذات کا کچھ حصہ لازماً بیمار ہوگا' یہ تقدیر مبرم ہے' ایسا ہی ہوگا کہ یہ امر ربی ہے۔اس کے برعکس ہونہیں سکتا' خالص اس کی اپنی مرضی سے ضابطے کی اس طرز پر تشکیل' ہماری دانست میں یہی خدا کی تقدیر ہے' یہی اس کا علم ہے۔

بقول ایک مفکر قرآن:

''خدا تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے' سے یہ مراد ہے کہ انسان کا کوئی عمل خدا کے قانونِ مکافات کی زد سے باہر نہیں رہ سکتا۔ انسان کا ہر عمل اس کے دائرے کے اندر ہوتا ہے۔**ان اللہ بما یعملون محیط** (3:119) اسی لیے انسان کا کوئی کام بھی نتیجہ مرتب کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا نتیجہ خود بھگتنا پڑتا ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔''

اللہ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے کا پھر مفہوم یہ ہوا کہ اس کا قانونِ مکافات کسی آن بےحرکت اور معطل نہیں ہوتا' اسکا کام برابر نتائج مرتب کرتے چلے جانا ہے اور وہ یہ کام بغیر کسی وقفے کے کرتا چلا جاتا ہے۔متواتر۔مسلسل۔پیہم۔

جس کسی نے برقی رو کا نظام متعارف کروایا یہ اس کے علم میں تھا کہ جو بھی بجلی کی ننگی تاروں کو چھوئے گا لازماً نقصان اٹھائے گا اور اس نے اور بعدازاں اس کے متبعین نے ہر کہ ومہ کو متنبہ کر دیا' دیکھو ایسی غفلت کبھی نہ کرنا۔اب جب تک یہ غفلت دنیا میں ہوتی رہے گی اس موجد اور اس کے سچے پیروکاروں کے علم کی تائید ہوتی چلی جائے گی۔اب رہا یہ نکتہ کہ جس جس شخص کو جب جب کرنٹ پڑے گا اس کی تفصیل اس موجد کے علم میں ہونی چاہئے تو یہ اضافی ذمہ داری اس کے سر تھوپنے سے کیا حاصل ہوگا؟ کچھ بھی تو نہیں کیونکہ اس نے ایک نعمت دنیا کو دے دی اور ساتھ باخبر کر دیا کہ اس کے صحیح استعمال کے طریق کیا ہیں اور کھول کر بتا دیا کہ غلط استعمال سے تمہیں کس طرح ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا' لہٰذا ایک لحظہ بھی غافل نہیں ہونا ورنہ ضرور ضرر اٹھاؤ گے۔ اب یہ انسان کی فہم و فراست کا امتحان ہے کہ وہ

خسارے کا انتخاب کرتا ہے یا ایمان اور عمل صالح کے مرکب سے استفادہ کرتے ہوئے خوشگواریوں کا خریدار بنتا ہے؟ متعین نتائج اپنی مخصوص مسافرت کا معین دورانیہ مکمل کر کے خود اس کے سامنے آ جائیں گے۔

ظاہر ہے اس پس منظر میں دعا کو اپنے روایتی مفہوم سے دستبردار ہونا ہوگا۔ تو پھر یہ آخری سوال بھی حل کرنا ہوگا' آخر دعا کا قرآن میں ذکر کیوں ہے؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟ تو ایک بار پھر ہم عہد موجود کے عظیم مفکر قرآن سے رجوع ہوتے ہیں وہ لکھتے ہیں:

''بادیہ نشین جب اپنے مویشیوں کا دودھ دوہتے تو تھوڑا سا دودھ تھنوں میں باقی چھوڑ دیتے۔ یہ دودھ اس دودھ کو نیچے اتارنے کا موجب بن جاتا جسے جانور نے اوپر چڑھا لیا ہوتا۔ اس طرح چھوڑے ہوئے دودھ کو وہ الداعیۃ کہتے۔ اسی سے دعا کا مفہوم سمجھ میں آ سکتا ہے یعنی وہ کیفیت جو انسانی جذبات کو ابھارنے اور اس میں حرکت پیدا کرنے کا موجب بنے۔ جس سے اس کی مضمر توانائیاں (چھپایا ہوا دودھ) مشہود ہو کر باہر نکل آئیں' شدتِ آرزو سے۔ جس کا دوسرا نام دعا ہے۔''

اس عاجز کی رائے میں دعا کو اگر آرزو سے موسوم کر دیا جائے تو سارا مسئلہ طرفۃ العین میں حل ہو جائے گا۔ آرزو دراصل ہماری مراد کی تعیین کا دوسرا نام ہے۔ جب ہم سچی دعا کر رہے ہوتے ہیں تو فی الحقیقت اپنی طلب کا بڑے ہی اخلاص سے تعین کر رہے ہوتے ہیں۔ ہماری تمنا جب ہماری ذات میں ترازو ہو جاتی ہے تو وہ ایک طرح سے اس دعا کی قبولیت کے لئے راہ ہموار کر چکی ہوتی ہے۔ گویا دعا تو نیت ہے جس پر عمل کا انحصار ہے۔ اپنی خواہش کو اپنے من میں فوکس کرنے سے ہی عمل کا آغاز ہوتا ہے۔ اگر دعا بھی مشیت ایزدی سے ہم آہنگ ہو اور حصولِ طلب کے لئے طالب کی منہاج بھی قوانین خداوندی کے مطابق ہو تو پھر یہ اتصال ایسی نفسیاتی توانائی فراہم کرے گا کہ گوہر مراد خود چل کر سامنے آ جائے گا۔ آ کر رہے گا ؎

اے جذبۂ دل گر میں چاہوں ہر چیز مقابل آ جائے
منزل کے لئے دوگام چلوں اور سامنے منزل آ جائے

قرآن مجید نے بھی دعاؤں کی قبولیت کو اعمالِ حسنہ کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے جو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا ہوں ان کے 'نصیبے' کا کشکول سدا خالی ہی رہتا ہے۔ یہ آیت پڑھیے اور غور کیجئے سوہنے اللہ نے کس درجہ شفاف الفاظ میں مسئلے کو حل کر دیا ہے۔

''خدا نے ان کی دعاؤں کا یہ جواب دیا کہ ہم نے تمہاری دعاؤں کو سن لیا ہے لیکن تم یاد رکھو ہم کسی کام کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔ وہ مرد ہو یا عورت۔ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا بدلہ دیتے ہیں۔'' (3:194)

شاہکار رسالت حضرت عمر فاروقؓ نے دیکھئے کس طرح مشکل پتھر کو پانی کر دیا ہے۔

''لوگو! سن رکھو! مجھے خلافت کا فریضہ اس لئے سونپا

گیا ہے کہ میں تمہاری دعاؤں کو خدا تک پہنچنے سے روک دوں۔''

لیکن صد افسوس کہ ہمارا مذہبی پیشوا اس قولِ عمرؓ کو اپنے خطبے میں دہرانا بھی گوارا نہیں کرتا۔ کیوں کرے گا کہ اس سے مخصوص مذہبیت کی ساری عمارت اسے آنِ واحد میں زمیں بوس ہوتی نظر آتی ہے۔

باقی یہ ہو نہیں سکتا کہ ایسی دعا کی جائے جو قوانین خداوندی سے مطابقت نہ رکھتی ہو اور اللہ اسے قبول کر لے مثلاً کسی شخص کی ٹانگ کٹ جائے اور اس کا مرشد مدت العمر یخ بستہ پانی میں کھڑا ہو کر دعائیں کرتا رہے کہ اس مرید کی نئی ٹانگ اُگ آئے تو ایسا بہر حال نہیں ہوگا' کبھی نہیں ہوگا۔ اقبال بھی دانائے راز تھا' دیکھئے کیسی پتے کی بات کہی ہے۔

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تُو بدل جائے
تری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے

اگر کوئی یہ کہے کہ ایک شخص اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرے ''اے اللہ! تو مجھے ایک عدد کامیاب ڈاکہ مارنے کی توفیق عطا فرما۔'' اور پھر وہ ایک نہایت کامیاب ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہو جائے تو کیا اس کی دعا قبول نہیں ہوئی حالانکہ وہ قانونِ خداوندی کے سراسر خلاف تھی؟ تو اس کا جواب سوال میں ہی موجود ہے کہ ہم جو کرتے ہیں بھلا یا برا' اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں' محمود یا مذموم نتائج اعمال میں چھپے ہوتے ہیں نہ کہ اللہ کی بے قاعدہ رضا میں۔ بقول قاضی حبیب الرحمٰن۔

خود اپنے ہاتھ سے لکھتا ہوں نامۂ اعمال
سو' دستِ غیب کا کچھ اس میں شائبہ بھی نہیں

جی چاہ رہا ہے زندگی کا کافی حد تک حقیقی شعور رکھنے والی ایک باعمل قوم کے طرزِ احساس کا یہاں حوالہ دیا جائے شاید کوتاہیٔ ذوقِ عمل کے باب میں اس جانکاری کا اہتمام ہو سکے کہ جہاں بازو سمٹتے ہیں آخر صیاد وہیں کیوں ہوتا ہے؟

جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھتے ہیں۔

''سات آٹھ سال کی (ایک چینی) بچی دیوارِ چین دیکھنے کے موقع پر ہمارے ہمراہ گئی...... راستے میں میرے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس نے پوچھا: ''کیا آپ کے ہاتھوں میں ستارے ہیں؟' میں نے اس کے سامنے اپنے دونوں ہاتھ کھول دیئے۔ کہنے لگی: ''آپ کے ہاتھوں میں ستارے نہیں کیونکہ آپ مزدوری کے لئے اپنے ہاتھ استعمال نہیں کرتے۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ کھول کر مجھے دکھائے جن میں مشقت کے سبب گٹھے پڑے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا۔ ''یہ ستارے آپ کے ہاتھوں میں کیسے آ گئے؟'' اس نے جواب دیا۔ ''میں اپنے اسکول میں پڑھائی کے بعد روز تین گھنٹے زمین کی گوڈی کرتی ہوں' اس میں ہل ڈالتی ہوں' سبزیاں اگاتی ہوں انہیں پانی دیتی ہوں۔ میرے ہاتھوں

میں ستارے اسی مزدوری کا انعام ہیں۔'' پھر میں نے پوچھا۔''اگر بارش نہ ہو تو کیا آپ دعا مانگتی ہیں؟'' کہنے لگی۔ دعا مانگنا تو بھیک مانگنا ہے۔ ہم لوگ کسی سے کچھ نہیں مانگتے بلکہ اپنے بازوؤں کے زور سے خود زمین کھود کر پانی نکال لیتے ہیں۔''

لگتے ہاتھ میخائل نعیمی کی ''کتاب میرداد'' سے یہ چند سطریں بھی پڑھ لیں' شاید اور روشنی ہو جائے۔

''کیا چابی قفل کے استعمال کا جواز نہیں ہوتی؟ کیا قفل چابی کے استعمال کا حق نہیں دیتا؟ کیا چابی اور قفل دونوں دروازے کے استعمال کے لئے جواز نہیں ہوتے؟ جب بھی تم چابی گنوا بیٹھو یا کسی بے ٹھکانے رکھ بیٹھو تو ہر بار لوہار کے پاس جا کر اصرار کرنے کی جلد بازی نہ کرو۔ لوہار اپنا کام کر چکا ہے اس نے وہ کام بخوبی انجام دے دیا ہے۔ اس سے وہی کام بار بار کرنے کی تاکید نہ کرو۔ تم اپنا کام انجام دو۔ لوہار کو پریشان نہ کرو کیونکہ تم سے فارغ ہو کر اسے اور بھی کام کرنا ہیں...... اگر اپنی ربوبیت کا بیج تمہیں دینے کے بعد' تمہارے بجائے' تمہارے رب نے آپ ہی اس بیج کی پرورش کرنی ہوتی تو تم میں کیا صلاحیت ہوتی اور پھر تمہاری زندگی میں تمہارے لائق کام ہی کیا رہ جاتا؟ اگر تمہارے کرنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا اور کچھ کرنا تھا اور وہ خدا ہی کو تمہاری خاطر کرنا تھا تو تمہاری زندگی کا مقصد ہی کیا ہوتا؟ تمہاری دعا سے کیا ہاتھ آتا؟ اپنی بے شمار امیدیں اور فکر خدا کے سامنے نہ رکھو جن دروازوں کی چابیاں اس نے تمہارے سپرد کر رکھی ہیں' وہ دروازے کھولنے کے لئے منتیں نہ کرو' بلکہ تم اپنے دلوں کی وسعت میں اس کی جستجو کرو' کیونکہ دل کی وسعت میں ہر وہ اچھی یا بری شے موجود ہے جس کی بھوک اور پیاس تمہیں محسوس ہوتی ہے۔''

اور ہاں دوستو! یہ ظالم ابلیس پہلا شخص تھا جس نے گمراہی کو اللہ سے منسوب کیا تھا جب اللہ نے اس کی فہمائش کی کہ تو نے راہِ معصیت کیوں اپنائی تو وہ بڑی ڈھٹائی سے بولا! میں نے لغزش کب کی ہے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے (15:39) یعنی میں اپنی لغزش کا ذمہ دار نہیں۔ میں تو مجبور ہوں' سب کچھ تو ہی کرتا ہے۔ گویا جو خود اپنے کئے کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا وہ مثل عزازیل خود پر اپنے ہاتھوں سے اصلاح کا در بند کر لیتا ہے۔ حالانکہ آیاتِ قرآنی بڑی وضاحت سے ہر فرد کو اس کے اعمال کا ذمہ دار قرار دیتی ہیں۔(1) **نصیب مما کسبوا** (2:201) تمہارا نصیب تمہارے اپنے اعمال سے مرتب ہوتا ہے۔(2) **جزاء بما کانو یکسبون** (9:82) جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔

قارئین محترم! ہے تو یہ ذاتی سی بات لیکن آپ کی اجازت سے عرض کرنا چاہتا ہوں جانے وہ کون سی ساعت تھی جب تقدیر کا مسئلہ اس عاجز کا مسئلہ بن کر رہ گیا۔ اپنی عمر کے کامل بیس برس اس مسئلے کو سمجھنے میں صرف کر دیئے۔ جو

آرٹیکل پڑھا، جس سے بات کی، نتیجہ پیچیدگی کے بڑھنے کی صورت میں ہی سامنے آیا۔ آخر دو دہائیوں کے بعد ایک کتاب ہاتھ لگی وہ واقعی ''کتاب التقدیر'' ثابت ہوئی۔ الحمداللہ کہ اس کی وساطت سے سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ میں نے مرقومہ سطور میں اسی معرکہ آراء کتاب کے عظیم معارف کو اپنے الفاظ میں پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔ دل چاہتا ہے دعا کے مضمون کا اختتام بھی اپنی اسی محسن کتاب کے دلربا الفاظ میں کروں۔

''دعا کیا ہے؟ سازِ فطرت کے نغمہ ازل سے ہم آہنگ ہونے کی حسین تمنا۔ عروسِ حقیقت کے حسنِ جہاں آرا و جاں نواز کی دلکش رعنائیوں سے یکرنگی کی مچلتی ہوئی آرزو۔ چکور کے سینے میں چاند کو اپنے اندر سمو لینے کی کہکشاں گیر و فلک پیما، والہانہ امنگ۔ قلب پروانہ میں شمع فروزاں کے انداز و اسلوب جذب کر لینے کا وجد انگیز و رقص آفریں جوش و خروش یعنی انسانی خودی کا اپنی متناہیت کو لامتناہیت (حیات جاوداں) میں بدل لینے کا بے تابانہ ولولہ اور اسی ولولہ کی تسکین کے لئے قطرۂ شبنم کی، سورج کی شعاعوں سے بازوئے شاہیں کی طلب۔ بغور دیکھئے تو ایمان، دعا اور عمل تینوں ایک ہی شمع کی کرنیں اور ایک ہی پھول کی پنکھڑیاں ہیں۔ ایمان اس حقیقت کے اعتراف کا نام ہے کہ انسانی سیرت کی بلندی کا راز، نظامِ عالم کے مرکز و خوبی سے ہم آہنگی میں پوشیدہ ہے۔ دعا اس ہم آہنگی و یکرنگی کی شدید تڑپ ہے اور عمل اس تڑپ کا زندہ مظاہرہ اور اس کے حصول کے لئے کوشش پیہم۔''

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سائنس اور ایمان بالغیب

سب سے پہلے اسے سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم کی رو سے ''ایمان'' کسی صداقت کو بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے مان لینے کا نام نہیں۔ اس کے نزدیک' کسی دعوی کو علم وعقل کی رو سے پرکھ کر' قلب و دماغ کے پورے اطمینان کے ساتھ' علیٰ وجہ البصیرت صحیح تسلیم کرنے کو ایمان کہتے ہیں۔ چنانچہ وہ مومنین کی خصوصیت یہ بتاتا ہے کہ۔

الذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا۔ (25:73)

''یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے (اور تو اور) آیات خداوندی بھی پیش کی جاتی ہیں تو ان پر بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے (انہیں عقل وفکر کی رو سے قبول کرتے ہیں)''۔

وہ ارباب علم وعقل اور اہل ایمان کو مرادف المحض قرار دیتا ہے۔ جب کہتا ہے کہ **فاتقوا اللہ یا اولی الالباب الذین امنوا** (65:10)۔ اے ارباب عقل وفکر' یعنی اے ایمان والو! تم خدا کا تقوی اختیار کرو۔ فوق الفطرت حقیقتوں میں' سب سے سرفہرست اللہ کی ہستی ہے۔ اس کے متعلق رسولؐ اللہ سے کہا گیا کہ اعلان کر دو کہ **ادعوا الی اللہ علے بصیرۃ انا ومن اتبعنی** (12:108)۔ میں جو خدا کی طرف دعوت دیتا ہوں تو علیٰ وجہ البصیرت دعوت دیتا ہوں۔ میں بھی ایسا کرتا ہوں اور میرے متبعین بھی ایسا ہی کریں گے۔ اب ظاہر ہے کہ جو دعوت علیٰ وجہ البصیرت دی جائے گی اسے بہر حال عقل وفکر اور دلائل و براہین کی رو ہی سے مانا جائے گا۔

فوق الفطرت (غیر مرئی) حقیقتوں میں دوسرا مقام حیات بعد الممات کا ہے' جسے آخرت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم میں ہے کہ **کذالک یبین اللہ لکم الایات لعلکم تتفکرون۔ فی الدنیا والاخرۃ** (2:219)۔ اس طرح خدا تمہارے سامنے واضح ''علامات'' لاتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت میں غور وفکر کر سکو۔ (محسوس علامات سے غیر مرئی حقیقتوں تک کیسے پہنچا جاتا ہے' اس کے متعلق ہم ذرا آگے

چل کر عرض کریں گے۔ سردست آپ یہ دیکھئے کہ) قرآن کریم نے دنیائے محسوسات کے متعلق ہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ''آخرت'' کے متعلق بھی غور وفکر سے کام لینے کی تاکید کی ہے۔ لہٰذا' قرآن کی رو سے' آخرت پر ایمان بھی اندھی عقیدت کی بنا پر نہیں لایا جاتا' اس صداقت کو غور وفکر کے بعد تسلیم کیا جاتا ہے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی رو سے ایمان' کسی حقیقت کو بلا سوچے سمجھے' اور بلا دلیل و برہان مان لینے کا نام نہیں۔ یہ' علم و بصیرت کی بناء پر' صداقت پر یقین محکم کا نام ہے۔ ایمان کا ترجمہ (Faith) نہیں' (Conviction) کا لفظ اس کے مفہوم سے زیادہ قریب ہے۔ ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ ہم قرآنی اصطلاحات کا ترجمہ انگریزی کے ان الفاظ سے کر دیتے ہیں جو عیسائیت کے پیش کردہ تصورات کے لئے وضع کئے گئے تھے۔ اس سے قرآن کا سارا مفہوم بدل جاتا ہے اور تو اور' ہم نے اسلام کو بھی ایک (Religion) قرار دے رکھا ہے۔ حالانکہ اسلام (Religion) نہیں' دین ہے اور دین کے لئے انگریزی زبان میں کوئی لفظ نہیں۔

''ایمان بالغیب'' میں دوسرا لفظ غیب ہے جس کا ترجمہ (Un-Seen) کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم نے یہ لفظ (غیب)' شہادۃ کے مقابلہ میں استعمال کیا ہے۔ اس لئے غیب' نامشہود کو کہیں گے۔۔ لیکن نامشہود کی دو شقیں ہیں۔ ایک تو وہ نامشہود حقیقتیں ہیں جو کبھی مشہود ہو کر سامنے نہیں آ سکتیں۔ جیسے ذات خداوندی۔ لیکن مشہود کی دوسری قسم ایسی حقیقتیں ہیں جو اگر آج غیر مشہود ہیں تو ہو سکتا ہے کہ کل کو' جب انسان کا علم اور آگے بڑھے' وہ مشہود ہو جائیں۔ مثلاً قرآن کریم' اقوام گذشتہ اور انبیاءؑ سابقہ کے بعض حالات بیان کرنے کے بعد کہتا ہے کہ **ذالک من انباء الغیب نوحیه الیک** (3:43)۔ یہ وہ ''غیب'' کی خبریں ہیں جنہیں ہم نے تیری طرف وحی کیا ہے۔ نزول قرآن کے زمانے میں' تاریخ نے ہنوز ان واقعات پر پڑے ہوئے پردے نہیں اٹھائے تھے۔ اس لئے ان کا تعلق ''غیب'' سے تھا۔ ہو سکتا ہے کہ جب تاریخی انکشافات مزید ترقی کریں تو یہ واقعات تاریخ کے مشہود حقائق بن کر سامنے آ جائیں۔ اس زمرہ میں فطرت کی وہ قوتیں بھی آ جاتی ہیں جو ایک وقت میں نامشہود ہوتی ہیں لیکن جب علم انسانی آگے بڑھتا ہے تو وہ مشہود ہو جاتی ہیں۔ نامشہود کے مشہود ہونے کا یہی وہ طریق ہے جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم نے کہا ہے کہ:

سنریهم ایاتنا فی الافاق وفی انفسهم حتی یتبین لهم انه الحق (41:53)۔

''ہم انہیں انفس و آفاق میں اپنی نشانیاں دکھاتے جائیں گے تا آنکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ قرآن کا ہر دعویٰ صداقت پر مبنی ہے۔''

''غیب'' کی ایک اور قسم بھی ہے جس کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ طبیب آپ کو ایک نسخہ لکھ کر دیتا ہے جس کا تیار کرنا بڑا دقت طلب ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ

ایسے پرہیز تجویز کرتا ہے جن سے آپ کو اپنے آپ پر بڑی کڑی پابندیاں عائد کرنی پڑتی ہیں۔ آپ یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اس نسخہ کے استعمال اور طبیب کی ہدایات پر عمل کرنے سے آپ کو شفا ہو جائے گی۔ لیکن اگر آپ کو طبیب کی صداقت پر ایمان ہے' تو آپ ان تمام مشقتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ اس کے بعد' نتائج بتا دیں گے کہ حکیم صاحب نے جو کچھ کہا تھا' بالکل ٹھیک تھا۔ لہٰذا' کسی فارمولا' کسی قانون' کسی ہدایت کے ان دیکھے نتائج پر یقین کرنے کا نام بھی ایمان بالغیب ہے۔ یہ غیب' نتائج سے مشہود بن جاتا ہے۔ دنیائے انکشافات کی ساری عمارت اسی ایمان بالغیب پر استوار ہوتی ہے۔

☆☆☆

اب آیئے سائنس کی طرف۔ یہ کہنا بھی درست نہیں کہ:

(۱) سائنس میں ایمان کو کوئی دخل نہیں اور

(۲) سائنس کا تعلق صرف محسوسات (عالم مشہود) سے ہے۔

علوم سائنس کی ساری بنیاد ان اساسی قوانین پر استوار ہوتی ہے جنہیں (Axioms) کہا جاتا ہے۔ ان قوانین کے متعلق کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ کیوں ایسے ہیں' کائنات میں کیسے موجود ہیں اور کہاں سے آ گئے ہیں۔ ان کے متعلق یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ موجود ہیں اور ایسے ہیں۔ انسان کو ان کا علم کیسے ہوا' اس کے متعلق مختلف نظریئے ہیں۔ ایک نظریہ کی رو سے یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ قوانین خود انسان کی فطرت کے اندر موجود ہیں۔ دوسرے نظریہ کی رو سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان نے تجربات کے بعد انہیں دریافت کیا ہے۔ یہ دریافت کیسے بھی ہوئے ہوں' یہ حقیقت ہے کہ ان کے ایسا ہونے کے متعلق کوئی دلیل یا توجیہہ پیش نہیں کی جا سکتی۔ بس یہ ایسے ہیں اور انہیں ایسا تسلیم کرنا ہو گا۔ ان قوانین پر ایمان لائے بغیر' سائنٹسٹ ایک قدم نہیں اٹھا سکتا۔

قانون کا سرچشمہ عالم نامشہود ہوتا ہے اور اس کے نتائج محسوسات کے پیکروں میں سامنے آتے ہیں اس لئے قانون پر ایمان' نامحسوسات پر ایمان لانا ہے اور اب تو سائنس ہمیں یہ بھی بتاتی ہے کہ جن چیزوں کو ہم محسوس شکل میں اپنے سامنے دیکھتے ہیں ان کی اصل و بنیاد غیر مرئی اور غیر محسوس دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ اب مادہ (Matter) سمٹ کر توانائی محض (Pure Energy) بن کر رہ گیا ہے جو یکسر نامحسوس ہے۔ سر آرتھر ایڈنگٹن ہمارے دور کا ایک عظیم عالم طبیعیات گزرا ہے۔ وہ اپنی کتاب (Science And The Un-Seen World) میں اس باب میں لکھتا ہے:

> ''میں نے ابھی ابھی عرض کیا تھا کہ سائنس کو اب اس امر پر اصرار نہیں رہا کہ حقیقت عبارت ہے محسوسیت سے۔ یوں بھی جہاں تک اس کے لغوی معنوں کا تعلق ہے' مادیت کا عرصہ ہوا خاتمہ ہو چکا...... اب دنیائے سائنس کا رجحان اس طرف نہیں کہ ہر شے کو مادہ ہی کی ایک شکل قرار دیا جائے۔ مادہ کا رتبہ جہاں طبیعات سے بہت نیچے گر

گیا ہے۔ اس کا رجحان یہ ہے کہ ہر شے کو قانون فطرت کے عمل درآمد ہی کی ایک شکل ٹھہرائے اور قانون فطرت سے مراد کچھ ایسے قوانین ہیں جیسے ہندسہ، میکانیت اور طبیعات میں رائج ہیں...... قانون سائنس کی یہی ہمہ گیر سیادت ہے جس کو آج کل مادیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔'' (ص 31-32)۔

لہٰذا، سائنس کے متعلق یہ کہنا کہ اس کا تعلق عالم محسوسات سے ہے، ایک فرسودہ خیال ہے۔ سائنس، درحقیقت حصول علم یا ادراک حقیقت کے ایک خاص طریق کا نام ہے۔ اس طریق کی عمارت ان بنیادوں پر رکھی ہے کہ:

(۱) یہ سارا سلسلہ کائنات، غیر متبدل قوانین کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

(۲) محسوس اشیاء کے مطالعہ اور مشاہدہ سے ان قوانین کی صداقت کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور

(۳) جب اور جہاں ان قوانین پر عمل کیا جائے گا، وہی نتیجہ مرتب ہوگا۔

سائنس کی یہ بنیادیں خود قرآن کی مہیا کردہ ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ:

وسخرلکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا منہ (45:13)۔

''کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ ہے، اسے ہم نے تمہارے لئے قانون کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے۔''

اب رہا ان قوانین کو دریافت کرنے کا طریقہ، تو اس کے لئے قرآن نے ''علم'' کو لاینفک قرار دیا ہے۔ علم کی (Definition) اس کے نزدیک کیا ہے۔ یہ بڑے غور سے دیکھنے کی چیز ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:

لا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا (17:36)۔

''جس بات کا تمہیں علم نہ ہو، اس کے پیچھے مت لگا کرو۔ یاد رکھو۔ تمہاری سماعت، بصارت اور قلب، ہر ایک سے اس کی بابت پوچھا جائے گا۔''

آپ سوچئے کہ ''علم'' کی یہ (Definition) بعینہٖ وہی نہیں جسے سائنس پیش کرتی ہے۔ سماعت و بصارت سے مراد ہیں انسانی حواس (Senses)۔ ہمارے حواس، اشیائے کائنات کے متعلق معلومات (Data) فراہم کرتے ہیں، اور انسانی قلب (Mind) ان معلومات سے نتائج اخذ کرتا ہے۔ اس کو سائنٹیفک طریق حصول علم کہا جاتا ہے۔ باقی رہا اس بات کا ٹیسٹ کہ جس نتیجہ پر انسان پہنچا ہے وہ صحیح ہے یا غلط، تو قرآن نے اس کے لئے (Pragmatic Test) تجویز کیا ہے۔ یعنی تم اس پر عمل کرو۔ نتائج خود بخود اس کی صحت وسقم کا ثبوت بہم پہنچا دیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا کہ دین کا پروگرام پیش کر دینے کے بعد، آپ اپنے مخالفین سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اس کی صداقت پر اس طرح یقین نہیں کرتے تو اس کا دوسرا طریق یہ ہے کہ:

یقوم اعملوا علی مکانتکم انی عامل فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدار۔

''اے میری قوم! تم اپنے پروگرام کے مطابق کام کئے جاؤ۔ میں اپنے پروگرام کے مطابق کام کرتا ہوں۔نتائج خودبخود بتادیں گے کہ انجام کس کا اچھا ہوتا ہے۔''

آپ دیکھئے کہ کیا حصول علم کا یہ طریق' اوراس کی صحت کے پرکھنے کا یہ معیار' بعینہ وہی نہیں جسے آج سائنٹیفک طریق انکشافات کہا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قرآن ''علماء'' کہتا ہی انہیں ہے جنہیں آج کی اصطلاح میں (Scientists) سائنس دان کہا جاتا ہے۔سورہ فاطر میں ہے:

''کیا تو نے اس پر غور نہیں کیا کہ خدا بادلوں سے بارش برساتا ہے تو اس سے انواع واقسام کے پھل اورفصلیں اگتی ہیں۔پھر پہاڑوں پرغور کرو کہ ان کی چٹانوں پر کس طرح رنگا رنگ کے خطے ہوتے ہیں۔ کوئی سفید' کوئی سرخ' کوئی کالا بھجنگ''۔

اوراسی طرح انسانوں' مویشیوں اور دیگر جاندار مخلوق کی بھی کتنی ہی قسمیں ہیں۔ (یہ حقائق تو سب کے سامنے ہوتے ہیں لیکن) ان کی عظمت کے سامنے وہی لوگ جھکتے ہیں جو' ان پرعلم وبصیرت سے غور وخوض کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ''علماء'' کہلانے کا حق حاصل ہے۔'' (35:27-28)۔

فطرت کے ان محسوس حقائق وشواہد کو قرآن نے ''آیات'' کہہ کر پکارا ہے اوراس میں ایک عظیم نکتہ پوشیدہ ہے۔ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ غیر مرئی اور غیر مشہود حقیقتیں' محسوس طور پر ہمارے سامنے نہیں آسکتیں۔ان کے ادراک کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ محسوس مظاہر (علامات) پر غور وفکر سے انسان غیر مرئی حقائق کے متعلق علم حاصل کرے۔آپ رات کے وقت کسی صحرا میں کھڑے ہوں جہاں آبادی کا نام ونشان تک نہ ہو۔آپ کو دور کہیں آگ نظر آئے۔اس سے آپ اندازہ لگالیں گے کہ وہاں کوئی انسان ہے۔آگ اورانسان میں بظاہر کوئی تعلق نہیں۔لیکن آگ علامت بنتی ہے اس امر کی کہ وہاں انسان ہے۔اسی کو آیت کہتے ہیں۔فطرت کے محسوس مظاہر' آیات بنتے ہیں فوق الفطرت نامشہود حقیقتوں کی۔اسی سے ذہن انسانی کا رخ عالم مشہود سے عالم غیب کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

اب ایک قدم آگے بڑھئے۔قرآن کہتا ہے کہ جس طرح طبیعی دنیا کے متعلق خدا کے مقرر کردہ اٹل قوانین ہیں' اسی طرح خود انسانی دنیا کے متعلق بھی غیر متبدل قوانین ہیں۔جس طرح طبیعی دنیا کے قوانین کی پابندی سے تعمیری نتائج مرتب ہوتے ہیں' اوران کی خلاف ورزی سے تخریب ہوتی ہے' اسی طرح انسانی دنیا سے متعلق قوانین کے مطابق نظام معاشرہ متشکل کرنے سے انسانیت آگے بڑھتی ہے اوران کی خلاف ورزی سے اس کا ارتقاء رک جاتا ہے جس کا نتیجہ فساد ہوتا ہے۔قوانین فطرت کی طرح' انسانی زندگی سے متعلق قوانین بھی' انسانوں کے خودساختہ نہیں' خدا ہی کے

متعین فرمودہ ہیں۔ چونکہ مشاہدہ' مطالعہ' اور تجربہ کی رو سے قوانین کے انکشاف میں بڑا لمبا عرصہ درکار ہوتا ہے' اس لئے انسانی مشقت کو کم کرنے کے لئے' انسانی زندگی سے متعلق قوانین بذریعہ وحی عطا کر دیئے گئے۔ قوانین فطرت اور انسانی زندگی سے متعلق قوانین میں یہ فرق' صرف ان کے طریق تعلیم میں ہے۔ اس کے بعد دونوں کو غور و فکر اور علم و بصیرت کی رو سے سمجھا جاتا اور عملی نتائج کے ذریعے پرکھا جاتا ہے۔ مغرب کی غلط نگہی یہ تھی (اور ہے) کہ اس نے قوانین فطرت کی اہمیت پر تو اس قدر زور دیا لیکن انسانی زندگی کے متعلق قوانین کو یکسر نظر انداز کر دیا' اور معاشرہ کو اپنے خود ساختہ قوانین کے مطابق متشکل کرنا شروع کر دیا جس کا نتیجہ وہ جہنم ہے جس میں دنیا اس وقت مبتلائے عذاب ہے۔ قرآن نے قوانین فطرت اور انسانی زندگی سے متعلق قوانین دونوں' کی اہمیت پر زور دیا۔ ان کے اس امتزاج کا نام **الدین** ہے۔ ہم الدین کی (Definition) ان الفاظ میں کر سکتے ہیں کہ:

''فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں مستقل اقدار خداوندی کے مطابق صرف کرنے کا نام الدین ہے۔''

اس سے ظاہر ہے کہ قوانین فطرت (علوم سائنس) اور مستقل اقدار (وحی) کو الگ الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اگر ان میں ثنویت (Duality) پیدا کر دی جائے تو اس کا جو نتیجہ مرتب ہوگا اسے قرآن کے الفاظ میں سنئے۔ سورہ بقرہ میں ہے:

''کیا تم الکتاب (ضابطہ قوانین) کے ایک حصہ پر ایمان لانا اور اسکے دوسرے حصہ سے انکار کرنا چاہتے ہو؟ یاد رکھو! تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا' اس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ وہ دنیاوی زندگی میں ذلیل ہوگا اور اخروی زندگی میں شدید ترین تباہی میں مبتلا۔'' (2:85)

سیکولر تصور حیات میں قوانین فطرت پر ایمان لایا جاتا ہے اور مستقل اقدار سے کفر برتا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

''مذہب'' میں قوانین فطرت سے کفر برتا جاتا ہے اور (بزعم خویش) وحی خداوندی پر ایمان لایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ بھی ظاہر ہے۔

اور دین مین قوانین فطرت اور مستقل اقدار خداوندی' دونوں پر ایمان لایا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے' اس کے لئے تاریخ کے اوراق کو چودہ سو سال پیچھے پلٹانا ہوگا۔

مغرب نے مستقل اقدار خداوندی کو فراموش کر رکھا ہے۔ اور مسلمان صدیوں سے ''مذہب'' کا پیرو بن چکا ہے۔ دین نہ وہاں ہے نہ یہاں۔ (یہ قرآن کی دفتین میں محفوظ ہے) جب تک انسان' دین پر عمل نہیں کرتا' انسانیت تباہیوں سے نہیں بچ سکتی۔ یہی وہ حقیقت ہے' جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے کہا تھا کہ ؎

مغرب ز تو بیگانہ' مشرق ہمہ افسانہ
وقت است کہ در عالم نقشِ دگر انگیزی

علامہ پرویز سے متعلق

علامہ آئی۔آئی۔قاضی کے تاثرات

حیدرآباد میں بزمِ طلوع اسلام کے ذیلی کنونشن (منعقدہ نومبر 1960ء) کے موقعہ پر علامہ غلام احمد پرویز کے خطاب کے بعد صدرِ جلسہ علامہ آئی۔آئی۔قاضی سابق وائس چانسلر سندھ یونیورسٹی نے ایک مختصر تقریر کی تھی۔ علامہ قاضی کا اس سرزمین (سندھ) کے رہنے والوں کے دل میں جو مقام ہے اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔انہوں نے اس تقریر میں پرویز صاحب کو جو خراجِ تحسین پیش کیا وہ ان ہی کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

''میں اس مجمع کے سامنے اپنی ذاتی شہادت پیش کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مرد درویش (پرویز صاحب) پچیس تیس برس سے مسلسل قرآن کی آواز بلند کر رہا ہے۔ ایسی آواز جو کسی اور جگہ سے ہمارے کانوں میں نہیں پڑتی لیکن قوم ہے کہ جاگنے کا نام نہیں لیتی۔ میری آپ سے ایک ہی نصیحت ہے اور وہ یہ کہ یہ شخص جس قرآنی طریق کی آپ کو دعوت دے رہا ہے' اگر آپ نے اس کا اتباع کرلیا تو آپ کو موجودہ مصائب سے نجات مل جائے گی۔ قرآنی راستے کے علاوہ نجات وسعادت کی کوئی راہ نہیں۔''

(بحوالہ طلوع اسلام' نومبر 1960ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درود کا قرآنی مفہوم

نامور فرانسیسی عالم موسیو گاسٹن گار نے اسلام کی حقانیت پر بحث کرتے ہوئے کہا:

''جو لوگ موجودہ زمانے کے لئے قرآن کو مکمل قانون تسلیم نہیں کرتے ان مفکرین کو چاہئے کہ وہ اپنے گریبان میں جھانکیں کہ وہ اپنے ٹکسالی نظریات سے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غداری تو نہیں کر رہے؟''

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرف انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے، وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اب اس کے بعد انسان کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعل راہ کی ضرورت اور کسی ہادی طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقام بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذات اقدس واعظمؐ کے نقوش قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جنہیں دیکھ کر ہر خبیر و بصیر پکار اٹھتا ہے کہ:

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہ مصطفیؐ رو

ہمارا ایمان: ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس قرآنی نظام کے سوا جسے حضور رحمتہ للعالمینؐ نے ساری دنیا کے لئے وجہ شادابی قلب و نگاہ بنایا تھا، انسان کے لئے نجات و سعادت کی کوئی راہ نہیں۔ لیکن ہم نے اس قرآن کو غلافوں میں لپیٹ کر رکھ چھوڑا ہے اور اپنی راہ نمائی کے لئے دوسرے دروازوں پر جبہ سائی کرتے ہیں۔ کیا ایمان اسی کو کہتے ہیں؟ ہم نے اس سحاب کرم کی طرف سے اپنے لب بند کر کے، دنیا کے ہر چشمہ تہذیب و تمدن کو آزما کر دیکھ لیا۔ کیا کہیں سے آب حیات کی ایک بوند بھی ہمارے لئے وجہ سیرابی ہوئی؟ کیا اس کے بعد بھی وقت نہیں آیا کہ ہم پھر اسی ابر نیساں کی طرف رجوع کریں جن کی گہر افشانیوں نے ایک بار ہماری زمین مردہ کو اس طرح زندگی اور شادابی عطا کی تھی کہ اس سے ساری دنیا پر بہار آ گئی تھی۔

مسلمان، قرآن اور نبی اکرم ﷺ کے اسم گرامی کے ساتھ اپنی نسبت ضرور رکھتے ہیں لیکن نسبت رکھنے اور ایمان رکھنے میں بڑا فرق ہے۔ ایمان رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے اصولوں کو زندگی کا نصب العین بنایا جائے اور اس ضابطہ حیات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اس کی وضاحت قرآن نے اس مقام پر کر دی جہاں حضور ﷺ کو رحمت العالمین کہا ہے۔ فرمایا:

قل انما یوحی الی انما الھکم الہ واحد فھل انتم مسلمون (21:108)۔

(اے رسولؐ!) ان سے کہہ دو کہ میری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ تمہارا الٰہ، جس کے قوانین کی اطاعت اختیار کرنی چاہئے صرف ایک (خدائے واحد) ہے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہو"۔

سوال یہ ہے کہ ہمارا سر قرآن کے سامنے خم ہے، یا اس سے سرکشی برتتے ہوئے، اپنے خود ساختہ قوانین و ضوابط کے سامنے؟ غیر مسلم تو قرآن کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ:

"اس کی تعلیم کسی مقام پر بھی ناکام ثابت نہیں ہو سکتی۔ ہم اپنے تمام نظامہائے تمدن کے باوجود اسکی حد سے آگے نہیں جا سکتے اور حقیقت یہ ہے کہ کوئی انسان بھی اس سے آگے نہیں جا سکتا"۔ (گوئٹے کا خط ایکرمن کے نام)۔

اقوامِ عالم کے لئے رحمت: وہ نظام جسے رحمت للعالمینؐ کے مقدس ہاتھوں نے متشکل فرمایا۔ اس کا اصل الاصول کیا تھا؟ قرآن میں ہے کہ:

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (21:105)۔

"ہم نے ہر آسمانی کتاب میں، اخلاقی اقدار و ضوابط بیان کر دینے کے بعد لکھ دیا تھا (اور اب اس بنیادی حقیقت کو قرآن میں دہراتے ہیں) کہ زمین کا نظم و نسق، صرف ان لوگوں کے ہاتھ میں رہنا چاہئے جن میں اسکی صلاحیت ہو"۔

آپ غور فرمائیے! کہ قرآن نے اس مختصر سے ٹکڑے میں کتنے بڑے انقلاب کا اعلان کیا ہے جس سے نظم و نسق اور اقتدار و اختیار کے تمام سابق معیار (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) الٹ کر ان کی جگہ صرف صلاحیت نے لے لی۔

ان فی ھذا لبلغا لقوم عبدین O(21:106)۔

"اس انقلاب آفرین اصول میں، اس قوم کے لئے جو قوانین الٰہیہ کی محکومی اختیار کرے، ایک بڑی دوررس حقیقت پوشیدہ ہے"۔

اس کے بعد ہے:

وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین O(21:107)۔

"یوں اے رسولؐ! تمہاری بعثت تمام اقوام عالم کے لئے وہ قالب، وہ ذریعہ، وہ (Pattern) بن جاتی ہے جس کے اندر رہتے ہوئے افرادِ انسانیہ کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو سکتی ہے"۔

حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جہاں جہاں انسانی صلاحیتوں کی نمود نظر آتی ہے یہ صدقہ ہے اس "رحمت" کا جسے تمام اقوام عالم کے لئے عام کر دیا گیا ہے۔ دنیا قرآنی اصولوں اور اس کی روشنی میں متشکل کردہ قرآنی نظام کے کئی ایک گوشوں کو اپنا چکی ہے۔ بعض کو اپنانے کی کوشش کر رہی ہے اور باقی گوشے ایسے ہیں جنہیں یہ مستقبل میں جا کر اپنائے گی، اس لئے کہ ان کے بغیر انسانی صلاحیتیں اپنی نشو و ارتقاء کی آخری حد تک پہنچ سکتی ہیں نہ حسنِ کائنات میں نکھار پیدا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا، بزمِ ہستی میں جہاں کوئی پھول مہکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اسی جانِ بہار کی نکہت باریوں کا رہینِ منت ہے۔

ہر کجا بینی جہان رنگ و بو
آنکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنور مصطفیؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاش مصطفیؐ است

آزادی کا مفہوم: اسلام کا خدا' رب العالمین (1:1) اس کا ضابطہ قوانین (قرآن)' **ذکر للعالمین** (38:88)۔اور اس کا رسولؐ **رحمۃ للعالمین** (21:107)۔اس میں رنگ' نسل' خون' زبان' وطن کی' کوئی تخصیص اور تمیز نہیں اور خدا کا آخری نبی' ہونا بھی ایسا ہی چاہئے تھا۔سورۂ ابراہیم کی پہلی آیت ہے کہ:

کتب انزلنہ الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمیدO(14:1)۔

''یہ قرآن ہم نے تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ اسکے ذریعے تو نوع انسان کو ظلمت (تاریکیوں) سے نکال کر نور (روشنی) کی طرف لے آئے (اور) ان کے نشوونما دینے والے کے قانون کے مطابق انہیں زندگی کے اس توازن بدوش راستے پر ڈال دے جو جلال و جمال' غلبہ وقوت' اور حسن و تزئین سب کچھ عطا کر دیتا ہے' کیونکہ وہ اس خدا کی طرف لے جانے والا راستہ ہے جو ان تمام صفات کا مالک ہے۔''

اس آیہ جلیلہ میں قرآن کی خصوصیت یہ بتائی کہ اس کے ذریعے نوع انسان ظلمت سے نور کی طرف آ سکتی ہے۔ظلمات (تاریکیاں) جمع کے صیغے میں آیا ہے۔جس سے مراد ہر قسم کی تاریکیاں ہیں۔۔۔عقائد و تصورات کی تاریکیاں' رسوم و مناسک کی تاریکیاں' تمدن اور معاشرت کی تاریکیاں۔ سیاست اور معیشت کی تاریکیاں۔غرضیکہ زندگی کے ہر گوشے کی تاریکی سے روشنی کی طرف لے آنے والی کتاب۔ ان تاریکیوں کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات میں دی گئی ہے۔لیکن خود ہی اسی سورہ میں تین آیات بعد' ایک ایسا ٹکڑا آتا ہے جس نے ساری بات کو واضح کر کے رکھ دیا اور نکھار کر سمجھا دیا ہے کہ ظلمات کسے کہتے ہیں اور نور کیا ہوتا ہے۔فرمایا:

ولقد ارسلنا موسی بایتنا ان اخرج قومک من الظلمت الی النور (14:5)۔

''ہم نے موسیٰ کو اپنے احکام وقوانین دے کر بھیجا اور اس سے کہا کہ وہ ان کے ذریعے اپنی قوم کو ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔''

قرآن کی اس آیت نے خود بتایا کہ قوموں کی زندگی میں ظلمات کسے کہتے ہیں اور وہ نور کی وادی میں کس طرح داخل ہوتی ہیں۔فرعون کی محکومیت میں قوم بنی اسرائیل جس قسم کی زندگی بسر کر رہی تھی اسے ظلمات سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں۔قرآن میں اس داستان الم انگیز کی تفاصیل ملتی ہیں۔حضرت موسیٰؑ ضابطہ خداوندی کے مطابق اس قوم کو فرعون کی محکومی سے نکال کر سینا کی ان وادیوں میں لے آئے جہاں ان کے اور ان کے خدا کے درمیان کوئی دوسری قوت حائل نہ تھی اور جہاں انہیں اس امر کی پوری آزادی حاصل تھی کہ وہ خدا کے قوانین کے ماتحت زندگی بسر کریں۔اس کو قرآن نے نور سے تعبیر کیا ہے۔

نزول ملائکہ کا مفہوم: اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کے متعلق کہا ہے کہ ان کی بعثت کا مقصد یہ ہے کہ وہ قرآن کے ذریعے پوری کی

پوری نوع انسانی کو ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں گے۔ظاہر ہے قرآن کے اس دعویٰ کا عملی تجربہ نبی اکرمؐ کے مقدس ہاتھوں سے ہوا۔آپؐ نے اپنی قوم کی تربیت قرآن کی روشنی میں کی اور ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ قوم کس طرح ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آ گئی۔ یہ کچھ کیسے ہوا تھا؟ قرآن اور تاریخ میں اس کی تفاصیل موجود ہیں۔ان کا ماحصل یہی ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اپنے یقین محکم اور عمل پیہم سے باطل کی ہر قوت کا مقابلہ کیا اور اسے شکست دے کر فاتح اور منصور آگے بڑھتے چلے گئے تا آنکہ عہد جاہلیت کی تمام انسانیت سوز تاریکیاں ایک ایک کر کے چھٹ گئیں اور زمین اپنے نشوونما دینے والے کے نور سے جگمگا اٹھی۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ جو قوم قوانین خداوندی کے مطابق چلتی ہے کائناتی قوتیں (جنہیں قرآن ملائکہ کہہ کر پکارتا ہے) بھی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔کائناتی قوتوں میں کچھ تو وہ ہیں جو طبعی دنیا سے متعلق ہیں اور جن کی تسخیر سے انسان، حدود فراموش قوتیں حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔ کچھ قوتیں اس کی نفسیاتی دنیا سے متعلق ہیں۔قانون خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے یہ قوتیں بھی انسان کا ساتھ دیتی ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا سینہ تضادات (Contradictions) کی رزمگاہ بننے کی بجائے سکون وطمانیت کی جنت بن جاتا ہے۔اسے قرآن ملائکہ کی تائید کہتا ہے۔

ان الذین قالو ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملئکۃ الا تکافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدونO(41:30)۔

جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش پیدا نہیں کرتی تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے (خدا کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں اور ان کے لئے باعث تقویت بنتی ہیں 33:43) اور اس طرح ان سے کہتی ہیں کہ تم کسی قسم کا خوف نہ کرو۔ نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔تمہارے لئے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔" (43:13)۔

ملائکہ کے نزول کا نتیجہ یہ ہوتا کہ ان کے دل سے خوف و حزن جاتا رہتا ہے اور صرف اتنا ہی نہیں (کیونکہ خوف و حزن کا جاتے رہنا تو محض منفی نتیجہ Negative Result ہے)۔ بلکہ مثبت (Possitive) کامرانیاں اپنی انتہائی درخشندگی و تابناکی سے ان کے سامنے آ جاتی ہیں اور ملائکہ ان سے کہتے ہیں:

نحن اولیوکم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ (41:31)۔

"ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔"

(اس لئے تمہیں یہ جنتی زندگی اس دنیا میں بھی نصیب ہو گی اور آخرت میں بھی)۔

جماعت مومنین کا فریضہ: یہی تھی ملائکہ کی وہ تائید جو جماعت مومنین کو بدر کے میدان میں حاصل ہوئی تھی (8:12)۔سورۂ الاحزاب میں مومنین کے بارے میں ہے کہ:

ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ

لیخرجکم من الظلمت الی النور وکان بالمومنین رحیما (33:43)۔

''اے جماعت مومنین! خدا اور اس کے ملائکہ تم پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں اور ان کی تائید ونصرت تمہارے ساتھ ہے تاکہ وہ ظلمات سے نور کی طرف لے جائے۔ مومنین پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔ وہ انکی پوری پوری نشوونما کرتا ہے اور ان کی کوششوں کے بھرپور نتائج سے نوازتا ہے''۔

یہ کچھ کس طرح ہوتا ہے؟ اس کا جواب اس سے پہلی دو آیات میں ہے جہاں کہا ہے کہ:

یایھا الذین امنوا اذکر اللہ ذکرا کثیراO وسبحوہ بکرۃ واصیلاO(42-33:41)۔

''اے جماعت مومنین! تم قوانین خداوندی کو ہر وقت اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ اس طرح کہ وہ کبھی تمہاری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں اور اس کے متعین فرمودہ پروگرام کی تکمیل میں صبح وشام (ہمیشہ اور مسلسل) سرگرم عمل رہو۔ تم ایسا کروتو اس کے بعد تم دیکھو گے کہ خدا اور اس کے ملائکہ کی تائید اور نصرت کس طرح تمہارے ساتھ رہتی ہے اور تم کس طرح ظلمات پر قابو پا کر اپنی زندگی کو نورانیت میں لے آتے ہو''۔

یہ ہے برادران اسلام! خدا اور ملائکہ کی تائید ونصرت جو جماعت مومنین کو حاصل ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے جہاد مسلسل سے ''ظلمات سے نور'' کی طرف آ جائیں۔

صلوا علیہ کا عملی مفہوم: یہ تو جماعت مومنین کے لئے کہا۔ اور اسی چیز کو نبی اکرمؐ کے لئے خصوصیت سے دہرایا جہاں فرمایا:

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی (33:56)۔

''اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں۔ ان کی تائید ونصرت رسولؐ اللہ کے ساتھ ہے۔''

یایھا الذین امنوا صلوا علیہ...... (33:56)۔

''اے جماعت مومنین! تم بھی ایسا کرو کہ تمہاری تائید ونصرت رسولؐ اللہ کے ساتھ رہے۔''

یہ وہی چیز ہے جسے دوسری جگہ ان الفاظ میں کہا گیا ہے کہ:

فالذین امنوا بہ و عزروہ و نصروہ (7:157)۔

''وہ لوگ جو اس رسول پر ایمان لائیں اور عظمت مندانہ انداز سے اس کی تائید ونصرت کریں۔''

سورہ فتح میں ہے:

لتومنوا باللہ و رسولہ و تعزروہ و توقروہ و تسبحوہ بکرۃ واصیلا (48:9)۔

''جماعت مومنین اس نظام خداوندی کی محکمیت پر کامل یقین رکھے جو اس کے رسول کی وساطت سے متشکل ہو رہا ہے اور اس کے قیام اور استحکام کے لئے اس (رسول) کی مدد کرے اور اس کی عظمت وتوقیر کو بلند کرے اور اس مقصد کے لئے ہر وقت کوشاں اور سرگرداں رہے''۔

اب سوال یہ ہے کہ جماعت مومنین --- صلوا علیہ --- کا فریضہ کس طرح ادا کرے؟ اس کا جواب خود قرآن نے اس مقام پر دے دیا جہاں فرمایا کہ:

صلوا علیہ وسلموا تسلیما (33:56)۔

''وہ اپنی تائید ونصرت رسول کے ساتھ رکھیں یعنی اس کی کامل اطاعت کریں۔''

یہ ہے برادران اسلام' **صلوا علیه** کا عملی مفہوم۔ اس مقام پر قرآن نے اطاعت کے لئے **سلموا تسلیما** کہا ہے۔اس کی تشریح دوسرے مقام پر یوں کردی:

فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت و یسلموا تسلیما (4:65)۔

''تیرا نشوونما دینے والا اس حقیقت پر شاہد ہے کہ لوگ اپنے دعوٰی ایمان میں کبھی سچے نہیں ہو سکتے جب تک ان کی عملاً یہ حالت نہ ہو کہ اپنے تمام متنازعہ فیہ امور میں تمھیں (اے رسولؐ) حکم نہ بنائیں اور پھر جو فیصلہ تو دے اس کے متعلق اپنے دلوں کے اندر بھی کوئی گرانی محسوس نہ کریں اوراس طرح یہ تیری پوری پوری اطاعت کریں۔

یہ ہے مفہوم۔۔**سلموا تسلیما**۔۔کا۔اس مقام پر یہ کہا اورسورہ اعراف میں فرمایا:

واتبعوا النور الذی انزل معه' (7:157)۔

''مومنین پر لازم ہے کہ وہ اس رسولؐ کی تائید ونصرت کریں یعنی اس کتاب کی اتباع کریں جو اس پر نازل کی گئی ہے۔''

اس سے آپ نے سمجھ لیا ہوگا کہ۔۔یا یھا الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما (33:56)۔ ایک بہت بڑا پروگرام تھا (اور ہے) جس سے مراد ہے جماعت مومنین کی طرف سے پوری پوری اطاعت وراس سے مقصود یہ ہے کہ جماعت خود بھی ظلمات سے نکل کر نور کی طرف آجائے اوراس کے بعد تمام نوع انسان کو نور کی طرف لے آئے۔ظاہر ہے بھائیو! کہ یہ پروگرام چند الفاظ کے دہرانے سے تو پورا نہیں ہوسکتا۔ یہ تو مسلسل جہاد چاہتا ہے۔اس سے اگلی آیت میں جماعت مومنین سے کہا گیا کہ:

ان الذین یوذون الله و رسوله' لعنهم الله فی الدنیا والاخرة (33:57)۔

''جو اللہ اور رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت میں نعمائے خداوندی سے محروم رہ جاتے ہیں۔''

یہاں **''سلموا تسلیماً''** کے برعکس **''یوذون''** آیا ہے۔لہٰذا' خدااور رسول کو ایذا دینے کے معنی ہیں ان کی سرکشی اور معصیت' عدم اطاعت۔ یہ بعینہ وہ چیز ہے جو بنی اسرائیل نے کی تھی۔چنانچہ چند ہی آیات آگے چل کر اس کی تشریح کردی۔ جہاں فرمایا کہ:

یایھا الذین امنوا لا تکونوا کالذین اذ و موسیٰ...... (33:69)۔

''اے جماعت مومنین! دیکھنا کہیں تم اس قوم کی طرح نہ ہوجانا جس نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تھی۔''

قوم بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کے احکام وہدایات کی نافرمانی کی تھی۔اس کی تفصیل قرآن کے مختلف مقامات پر موجود ہے۔

یاد رکھئے! جسے ہمارے ہاں ''درود شریف'' کہا جاتا ہے وہ مجاہدانہ سعی و عمل اور جانفروشانہ اطاعت وفرمان پذیری کا ایک عملی پروگرام ہے۔اس حقیقت کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھئے' کہ خدا کی کتاب' جماعت کو کچھ کرنے کا پروگرام دینے کے لئے آئی ہے۔ جب قوم سے قوت عمل جاتی رہی تو رفتہ رفتہ 'کرنا' پڑھنے میں بدلتا چلا گیا۔اوراس کے متعلق اسے زیادہ اور کیا کہا جائے۔۔۔

وا ماندگی شوق تراشے ہے پناہیں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم شوکت عزیز صاحب وزیر خزانہ اسلامی جمہوریہ پاکستان

عنوان = غریبی کا خاتمہ اور سپاہِ ربوبیت

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہٗ

بجٹ سے پہلے اور بعد اب تک یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ غریبی کو کیسے ختم کیا جائے۔اس کا وہی جواب قابلِ توجہ اور مؤثر ہوگا جس کی تائید قرآن کریم سے ہوتی ہو۔اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ حکومت اپنی قائم کردہ ''سپاہِ ربوبیت'' سے اس کو ختم کر سکتی ہے۔آپ اس کا جذبۂ محرکہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اللہ جل جلالہٗ کی صفت رب/ فاعلہ بھی ہے(حوالہ سورۃ نمبر/آیت نمبر)

(الف) اللہ اعلم ۶/۱۲۵ انا اعلم ۱/۶۰ نحن اعلم ۵۰/۴۵ انی اعلم ۲/۳۰ ربی اعلم ۱۸/۲۲ ربك اعلم ۱۰/۴۰ ربکم اعلم ۱۷/۲۵۔ (ب) الحمد للہ رب العلمین (۱/۲)۔(ج) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔ یٰموسیٰ انی انا اللہ رب العلمین ۲۸/۳۰۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔انا ربکم فاعبدون ۱۷/۹۲۔ (د) حضرت نوح علیہ السلام۔ولکنی رسول من رب العلمین ۷/۶۱۔حضرت ابراہیم علیہ السلام۔قال اسلمت لرب العلمین ۲/۱۳۱۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔وامرت ان اسلم لرب العلمین ۴۰/۶۶ اور قرآن۔وانہ لتنزیل رب العلمین ۲۶/۱۹۲۔

ایمان کا جذبۂ ربوبیت رب العلمین ۶/۱۶۳ پر ایمان لائے بغیر پورا نہیں ہوتا جو دوسروں کی ربوبیت نہ کرے اس کا ایمان کیا؟

(۲) وسائل ربوبیت۔ارض۔سورج کی روشنی' حرارت' ہوا' پانی۔

(الف) حضرت شعیب علیہ السلام کی اونٹنی۔تاکل فی ارض اللہ (۷/۶۳)۔ارض ہر ایک کے لئے۔والارض وضعھا للانام ۱۰/۵۵۔ (ب) متقین کی وراثت۔ان الارض یورثھا من یشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین ۷/۱۲۸۔

(۳) سائل اور محروم کا حق۔والذین فی اموالھم حق معلوم ٥ للسائل والمحروم ۲۵۔۷۰/۲۴۔ (صدقات وزکوٰۃ)۔

(۴) ضرورت سے زائد۔ویسئلونك ماذا ینفقون قل العفو ۲/۲۱۹۔

(۵) دوسروں کو ترجیح دینا۔ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ۵۹/۹۔

(۶) سپاہِ ربوبیت ان شواہد کی روشنی میں اگر آپ مخلص ہیں تو سپاہِ ربوبیت کے قیام پر ضرور غور فرمائیں۔

والسلام

ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' سنبل سیداں' نیومری-10/6/2003

ECONOMIC SYSTEM OF THE HOLY QURAN

By
G.A. Parwez
Translated by:
Dr. Mir Mustafa Husain

=======

It is well known that the Holy Quran is the Book revealed by Allah to His last Prophet Muhammad (S), as a perfect code of life for mankind. In the presence of the Final Divine revelation, the world needs no other code of life. The Quran claims that it will fulfil the responsibility of guiding the whole mankind for all times, for all levels, and in all places. At no point of time it gives a negative answer that it does not have for the solution of problems of mankind. If one takes this as a claim even in a cursory way, it will become clear that this Divine Book, code of life, provides a balanced economic system which as and when put into practice, will certainly solve all the economic problems of mankind in the most satisfactory manner. As a result of this, the living world becomes a real welfare State. Similarly when its teachings are followed truly and sincerely, these will ensure Paradise in this life and life in Hereafter. This paper briefly presents the Economic System of the Holy Quran.

It may be mentioned further that the Quran is not a book containing religious advice and counsel nor the one that teaches the rituals of worship. It is a perfect code of life and a practical guide in every walk of life, enabling man to formulate a system that ensures the right type of quality life. Among the evolutionary stages through which life has passed and attained the present level (of human existence), where in the physical system of life i.e. the growth and development of the body has an outstanding significance. The fact is that every code of ethics and civilization, all precepts and counsels, exigency of every religion, prayers and rituals of shariyat, rights and duties of an individual and community, and for that matter every kind of guidance is for the living human beings only. The dead person the (corpse of a human being) can neither a Momin (Believer) nor an Kafir (Unbeliever), neither an innocent nor a sinner. It is devoid of all kinds of responsibilities, rights, and duties. According to the Holy Quran human living physique and body are so precious that whosoever unjustly killed an innocent living being it is as bad as if he has killed the entire mankind. And if a one has saved even one human life, it is as good as if he had saved the entire mankind (5:32). This is the reason why the Quran has prescribed the most severe punishment for a murderer (4:92-93). It is evident that when human life possesses so much significance, it could be imagined as to how much important will be those ways and means upon which life depends. The Holy Quran has termed these ways and means of life as "rizq" (sustenance) and now in popular parlance it is called 'bread'. Discussions related to 'bread' are called the Economics and the science of economy i.e. livelihood. How much significance the Quran attaches to the problem of bread could be seen through the fact that in the beginning of the Holy Quran itself (i.e. the Sura Al Fatihah — the first surah in its opening) the Muslims have been taught the prayer: "Show us the straight way, the way of those on whom thou hast bestowed Thy Grace." (1:5-6).

Yet in another place in Surah Al Nahl, it is shown that peace and abundance of sustenance are the favours of Allah whereas hunger and terror are Allah's chastisements (16:112). The privileges of Adam's paradise, described by the Quran, are such that neither hunger nor thirst will cause any problem, nor will he be deprived of clothing and shelter over there (20:118). Also, every human being, wherever he may be, will get his sustenance in abundance (2:35; 7:19). In Surah TaHa, it is stated clearly: 'Whosoever turns away from Our laws, his sustenance will be narrowed down'. It has also been clarified that a person whose sustenance is squeezed, he shall be raised blind on the Day of Judgement too (20:124). Yet in another place, the Quran says that whosoever is 'blind' in this world will be 'blind' in the Hereafter too (17:72). In surah Al Maidah it is said: Had the Jews and the Christians

followed the Torah and the Bible they would have been given abundant sustenance from earth and heaven (5:66) i.e. the doors of blessings from earth and heaven should have been indeed opened out to them (7:96).

Prayer of Prophet Abraham

The significance of sustenance could also be judged from the prayer of Prophet Abraham that when he completed the construction of the building called Kaba — ‛First House of Allah on earth’ — standing in the sacred mosque, he made his first prayer to Allah saying: O sustainer of all creations! Make this habitat a sanctuary for the oppressed people of the world (95:3), and grant the bounties of life abundantly (14:37). This prayer of Prophet Abraham has been repeated in Surah Ibrahim also too (14:37). The people of Makkah have been reminded as to how Allah had kept them in peace and security against fear, and how the sustenance flowed in abundance from all directions (28:57; 106:4).

Introductory Principles

From these explanations, it is clear as to how much emphasis Quran lays on the problem of sustenance (i.e. bread). Its importance could be realized from the fact that it has not confined its guidance just to a few theoretical instructions. On the other hand, it has provided a comprehensive, and practical plan of action. To get a clear understanding of this plan, it is necessary to understand some fundamental points. Ignoring these points creates such complications on account of which the same economic system is considered as exactly Islamic by one group of people; and the other group thinks it not just Kufr (denial) but Kufr-e-azeem (Total denial). The basic point is that — the first addressee of the Holy Quran was a nation, which had a system exactly opposite to the system that Holy Quran ordained. Obviously it was not possible to replace overnight a system prevailing since time immemorial, by a new and totally different system. To achieve this objective in particular a fundamental change was to be brought about in the minds of those people at whose hands this new system was to take shape. The Quran has brought about this change in a span of twenty-three years, and thereby guided the people to the new system slowly and gradually, in a phased manner — and that was the prime object of the teachings of the Holy Book. A disorder can be brought about overnight whereas it takes a long time and gradual approach for any revolution to fructify. For understanding the economic system proposed by the Quran, one has to move alongwith those gradual chain links and by joining them reach the destination.

Another significant point to be noted is that the Quran given in compiled form to the Ummat is not in its chronological order of revelation: It does not mean that the first surah (chapter) or ayat (verse) which was revealed first has been placed as the first and the last surah or ayat revealed occupies the last place. An in-depth study of the Holy Book also reveals that the present arrangement (sequence) is not only the best suited and the most ideal sequence. It was absolutely essential also especially when this last scripture has to remain and serve forever as a complete and practical code of guidance for the entire mankind. Now a question arises as to how the chain links can be arranged so that it takes its system from the starting point to its stage of completion. By appearance, this matter looks difficult but, in-fact it is not so. If the Quran is studied in depth and with an insight all those links can be joined easily from the last and the final link to the first link of the system without any difficulty or hesitation. If the Holy Quran is studied in this manner, and by the said approach, the pathways become much easy. It can be judged well through those links, which are being presented here.

Landmark

The Holy Quran has, clearly fixed, the landmark for the destination to which it wants to take us gradually. This land mark has been explained in the first verse of Surah Al Fatiha in these words: (”Alhamdu lillahe Rabbil aalameen‟ (1:1) ”Praise be to Allah, the Cherisher and Sustainer of the worlds‟; (1:1).

The reason for Allah’s worthiness of praise and appreciation is that He has provided material for maintenance, growth and development for all the creations of the universe, which is called Rububiyat-e-aalameeni (sustenance for both worlds). It is this arrangement which—an impossibility for any one except Allah in the past, present, and future (35:3). How this rububiyat (system of sustenance) is operative in the external world is the question, which is out of purview for the present. About living organisms on our (earth) planet, the Holy Book says: ‛There is no living being on the face of earth for whom means of sustenance has not been provided by Allah. (11:6).

About human beings, He has clearly said: We are responsible for providing sustenance for them as well as for their children'. (6:152; 17:31; 29:60). But, simultaneously it is also made clear: 'With this, it should not be taken that We deliver the sustenance directly to every human being, not at all'. (36:47). This responsibility of Ours is fulfilled at the hand of human beings. And that human order, which fulfils this responsibility of Allah, is called Islamic State, and this system of His, is called Economic System of the Quran. It means that the State, which claims to have been established in the name of Allah, is responsible to provide sustenance for all the individuals of the society. Now let us have a look at the links of the chain by joining of which this system gradually reaches its completion.

FIRST STAGE

Individual life

With the revelation of the Quran, voice was raised against that system which was tied up by the chains of capitalism. In this society, on one side, there are the intoxicated by their wealth, and on the other side there are destitutes deprived of even bread for their night meals. In this society, first of all, an appeal was made to the wealthy persons to arrange for the 'bread' of those destitutes and indigents who became totally incapable of arranging sustenance for themselves. The rich were told that if they did not arrange sustenance for the poor and the destitutes, Allah's chastisement will surround them (69:34-35; 76:8-10).

Individual appeal

At present, the chastisement for ignoring the poor is not to be discussed in detail as to whether it is in this life or in the life of the Hereafter, but they were told if they do not change the present state of affairs in the society under which most of the people were deprived of their basic needs, such a disorder will occur in the country that their respect would go to dust, then they would be out of their senses and ask why such a thing has happened? The unchanging law of Nature will show them that this has happened due to the facts that the criteria for their honour and respect was abundance of wealth and majority of gang. Amongst the people there, whosoever remained solitary, was not worthy of respect; and whose running business got static due to some accident, neither the wealthy arranged for his sustenance nor persuade others to help him (89:17-20). Among them, those accepted the new call of revolution by our preach came forward and responded positively and resolved to be his friends and companions are called Jamat-e-Momineen. They were also informed that if they have joined this 'new voice', they have to shoulder a great responsibility, and that they will have to arrange sustenance for the poor, the orphans, and captives, and this will be without any desire for praise and expectation any return (76:8-9). This is a very stiff and steep valley to climb (90:11-16). The one who does not act accordingly will falsify his claim for faith (iman) (107:1-3). It will be the test for the truthfulness of their claim for faith *(iman)* to give for the fulfilment of the needs of the poor and the destitute. The Quran calls it *"sadaqah"* (alm).

***Sadaqaat* (alms)**

Rising above the relationship ties of his kith and kin, one should take up and fulfil the wants of every needy person (2:215; 30:38); and without such attitude whomsoever he is helping, feels himself burdened by his obligation for the whole of life; nor whatever is given should be made public to satisfy his own pride. This should be done as an obligatory service to humanity. Deceitful wisdom will tell the person that when he thinks of spending upon others: 'Why should we spend our money upon others without an expression of obligation by them nor attaining popularity in the society?' It should be explained that whatever was spent by this way will not go waste. We should try to understand by taking the example of a farmer who sows seeds in the soil, yet those do not go waste. In return for each every seed the farmer gets hundreds of grains. With such (seeds) charities (sadaqaat), foundation of such a society will be laid wherein the human rights will be protected, and they will be saved from any disaster an obvious result of human unevenness (2:261-76; 14:31).

Reforms in goods and wealth

At this first stage, the Holy Quran has persuaded and induced individuals to fulfil requirements of the needy, and told them about the incentives and simultaneously instructed them to bring reforms in money matters when it says: 'Do not eat away others' money unlawfully' (2:188; 4:29). In this connection it is made clear that

religious leaders and priests devour others' property; therefore do not give them anything, and that they should work to earn their living (9:34). Protect the property of the orphans (4:6; 6:153; 17:34). If women earn something, men should not become unjustified owners of their property. A lady will be the owner of her earnings and a man will be the owner of his earnings (4:32). It was insisted on to reduce to writing money matters and financial transactions (2:282). If the debtor is penniless give him time till it becomes convenient for him to repay the loan, and if he is not in a position to pay back the loan, then forego the loan (2:280). One must prepare a will (testament) for the distribution of his bequeathed property (2:180; 5:106). Under a situation wherein the deceased could not execute a will, or his will could not cover his bequeathed property, then the in testate property be distributed as per the commands of the Quran in this respect (4:7, 11-12). According to these commands, wealth gets distributed in smaller parts rather than being centralised at one place. In sales and purchases or relations between employer and labourers, it was insisted upon that there should be fair dealings; measures and weights should be exact; and good quality material must be sold to the purchaser for the price paid by him. Wages should be given to labourer as per rules and agreed terms (6:153;7:85;11:84;17:35;83:1-3).

Agricultural reform

Agricultural economy was not in existence (particularly in Makkah). At this stage, therefore, much emphasis was laid upon reforms in business transactions. In respect of agricultural reforms, it was said: Whatever you earn from your land by your labour, give a part of it to fulfil requirements of the needy (2:267). This has been called the 'Right of Allah' (6:142). (Why this has been called so will be discussed in detail little later). As it was said in case of charities: If you do not fulfil the needs of the poor and the destitutes, a dissension will break out in the society, and it will turn down your positions of honour and respect, similarly in case of land, it was said: If you have not given the 'Right of Allah' to the poor and the needy, every grain of your crop will be burnt to ashes (18:32-44; 68:17-33), and even your children too will face severe disaster, (2:266).

SECOND STAGE

Move towards collective life

In the first stage, emphasis and instructions were focussed on individuals. During that period, those who got convinced by the truthfulness of the call gathered around the Preacher of Revolution (the Holy Prophet (S)) and thereby a distinct society started to emerge. This was the second stage of the programme. At this stage, the steps taken were from individual life to collective form of life. During the first stage, the individuals were asked to help the poor and the needy at their own will and pleasure and this was interpreted as sadaqaat.

Collective administration of sadaqaat

Now it was commanded to collect sadaqaat. Since the Central Authority of this system the most generous Prophet (S) being the Head of the Islamic State, was asked to collect the charities *(sadaqaat)* himself (9:103), and to spend the items thus collected, for the welfare of the society as detailed in Surah *Al Tawbah* (9:60). [The beneficiaries of expenditure are: (1) the poor, (2) the needy, (3) those employed to administer the funds, (4) persons whose hearts have been (recently) reconciled (to the Truth), (5) those in the bondage, (6) the indebted, (7) in the cause of Allah, and (8) the wayfarers. These items of expenditure for *sadaqqat,* have been mistaken for *zakaat* (Description of *zakaat* will come later). It was stated earlier that giving credit to the persons in need, and for its repayment convenience of the debtor has to be considered. Now it is commanded: 'Give credit to Allah'. (57:18; 73:20) i.e., 'When the Central Authority of your system [i.e. the Generous Prophet (S)] appeals for fulfilment of any common need, whatever is possible by anyone, that should be given to him. The Central Authority will spend this 'loan' towards items for your protection, and after sometime, when your society becomes strong and this new system gets fully established, then whatever you have given now as loan 'to Allah', you will get this back completely.' (8:60). But at this moment if you show miserliness, then you will be destroyed; therefore do not purchase destruction by your own hand.' (2:195). What kind of this destruction or extinction will it be?

You will get erased, and your place will be taken up by some other nation, which will not be like you (47:38). The passion of individual selfishness (called temptation of the devil or evil apprehensions) will allure you to keep your money with you; to help you in need (2:268). But you should not fall prey to such evil temptations. The disorder which develops in the society due to unevenness the individual assets do not help at all or protect them. Those who think so (that our money will save us from disaster), and render to others the same evil counsel, disasters and destructions will overtake their homes (4:37; 57:24; 92:8-9). Remember! Whatever you give away for the benefits of humanity, will not only give you protection, it will also make you grow and develop further (92:18). Your physical growth and development and also that of your 'self' which in fact is the final goal and the main objective for the efforts and struggle of your present life. Growth and development of human self is termed as 'Nearness to Allah' because this makes the attributes of Allah exhibited in man (within human limits). This 'Nearness to Allah' is not achieved by accumulation of wealth; this nerves is achieved by 'Presenting the wealth to Allah' (34:37). Undoubtedly like women and children, there is love and attraction towards goods and wealth too (3:14).

Reforms in the system of goods and wealth

When love of women and children dominates the common benefits of humanity, these women and children, and goods and wealth will become a 'trial' for you (64:15). Therefore you should not become a victim of individual selfish interest. This will bring you success (64:16-17). Accumulating riches individually, you should not think that you have fulfilled the responsibility of commulative cooperation with the society. You think you have become self-sufficient. No, absolutely not. Whosoever thinks so, he is bound to be destroyed (92:7,8-11).

Rights of the needy and destitute

In the first stage, an appeal had been made to help the needy persons, those who do not ask you anything as their right: You have to give them something as help. But now it is ordained that the needy persons have their right in your goods and wealth i.e. they can take as of right on the basis of their needs (51:19, 70:24-25). If you yourselves do not give them their right, then the society will arrange to get their right from you.

It is seen that at this stage, the position of sadaqaat did not remain as that of khairaat, it became the right of the needy persons. The man who takes something as a charity feels it as an obligation, and in the person who gives it, a feeling of ehsaan (fulfilment of an obligation) develops. But when a thing is taken as one's right, this will neither make the receiver to have an inferiority complex nor the giver will have a superiority complex developed in him.

Booty

For Arabs, booty was a very big source of income, and in their society it was customary that during war whatever was seized from the enemy, it used to become the soldier's property. The Holy Quran brought a reform in this practice also and said: 'The booty will not be individual's property. This should be deposited with the 'centre'. The 'centre' will apportion a part of it for collective needs, and the rest will be distributed among the soldiers, (8:1,41). With this single change, not only the position of this source of income became collective but the spirit of motivation of war also got changed. Earlier the spirit of action of war was to get the booty, whatever one could take it away. Now the spirit turned into the protection of human rights. In the Quranic terminology this is called "Qital fi sabeelillah"—war in the path of Allah. It could be noted that whatever is done in the interest of mankind, free of any wages or remuneration, the Quran calls it "fi sabeelillah" (in the path of Allah).

Accumulation of wealth

Wealth can serve its purpose when it is in a mobile state only. The very word Doulat (wealth) means the state of mobility. But the lust for money hoards it up instead of keeping it mobile: Consequently, the entire economic system of the society gets upside down. The Holy Quran has emphatically stated that accumulation and boarding of wealth is the most heinous crime. It fuels the flames of the fire of hell and the wealth and its accumulators will get scorched and burnt therein (9:34-35). These flames will engulf the hearts of these persons

(104:2-7). Despite their efforts to escape from it, it pulls them and destroys everything like the flow of lava from a volcano (70:5-18).

In connection with the mobility of wealth, it was also explained that its flow should not be restricted to the affluent class only. It should circulate into the entire body of the society as blood circulates in the entire human body (59:7).

Riba (usury) is a war against Quranic system

After many severe warnings against accumulation of wealth, the Holy Quran has issued such a commandment, which has totally uprooted the satanic purpose and evil motive for accumulation of wealth. Money is a means of exchange for essential commodities. It does not produce anything by itself. This could be understood by an example. If one hundred-rupee coins are kept in a box and taken out even after a period of ten years, the amount will remain the same without any increase in it. If the capacity of money is such that it remains the same, without having any increase in its number, it is obvious that accumulating and leaving the money as it is, will be a stupidity. If you give the same one hundred rupees to someone on interest, it will bring some money along with it on its return. Now in this way your money has produced more money. The money which was produced by money and not by labour is called by the Quran as "riba". The Quran has very clearly stated about riba that it is an unlawful and forbidden serious crime, a crime which is regarded as a rebellion against the Islamic system. The Holy Book has warned those persons who have established riba system that they should take it as proclamation of war from Our side (2:275-79). By way of argument, it says that on account of riba, undoubtedly assets of an individual will increase but the consequences of this economic system will yield so many disaster our results that ultimately public wealth gets reduced drastically. One section of the people, by becoming wrongful owner of others' labour, becomes loser of the innate capability of action and gets devoid of human dutifulness, and the other section becomes poor and destitute being deprived of the fruits of its own labour; and due to this, in the beginning the fire of hatred and revenge against humanity gets kindled, and at last it annihilates (3:129-30).

It may be noted that the Holy Quran has not just said that riba is that what is taken from a needy person over and above the money given as loan. It has categorically stated: 'You invest money with that of others' with a purpose to get more than what was added is also riba, (30:34). In the present day terminology it is named as commercial interest——it also includes share cropping, and rent of land. The fundamental principal it has given is "Laisa lill insane e illa ms'a" (53:39)——compensation is for labour and not for capital; return for capital is riba, in whatever form it may be. By declaring riba as unlawful, the Quran has disbanded the motive and objective of wealth accumulation.

Next step pertaining to land

In the human economy, the problem of land has been made unnecessarily complicated whereas the matter is so obvious and clear that it needs neither the mind of Plato nor the logic of Aristotle to understand. Allah, while calling Himself "Al Hai" (Living) has also called Himself "Al Qayyum" (Self-subsisting and Eternal). This means when He has given life, He has also given all the means of livelihood. For maintenance of life, are required light, heat, air, water, and food. He has made available all these things before the creation of man. Light, heat, air, and water are usually available on the earth surface. About food, He said its reserves are in the earth.

"And We have provided therein means of subsistence——for you and for those for whose sustenance ye are not responsible". (15:20). You can imagine that the Quran has used the word "ma'eshat" for the produce from land. He has said: 'Eat it yourselves and feed your livestock too.' (20:54). Yet at another place the Book has called this "mata'ann lakum wa ana mekum" (79:33; 80:32) i.e. provision for you and your cattle.

Just now it has been said that, land and other means of subsistence existed on earth before the creation of man. Now viewed from any angle and rule of any law based on justice, can anyone be held as an owner of these resources of subsistence (heat, light, air, water, and land) which should be available indiscriminately for the life's sustenance. Today you can say that you have purchased this piece of land from such and such person, or you got it from your father by way of inheritance. You go on inverting this sequence and reach that person who had first claimed this land as his own property; you can imagine that from whom he had purchased this, or from whom he had inherited? Obviously he got this fraudulently. Hence how it could be lawful for him or for his successors subsequently

to hold it under their possession? From among the means of subsistence, someone becoming owner of any of these means is a major offence against humanity when it was made as a means of subsistence for the human kind. This injustice and wrangle was existing by usage or by law from time immemorial. The Holy Quran has put forth sound arguments to erase it from the human mind. It has addressed the Believers: ‘When you accept the authority and power of Allah ‘over the skies’, why don’t you acknowledge His Divine authority over the land too? Remember as He is the Sole Authority over the skies, He is the Sole Authority on the earth as well. ”Howallazi fissama’e Ilahun wa filarde Ilahun‟ (43:84). (And He it is Whose Laws in the heavens i.e. outer universe and in the earth i.e. human society). At another place the Book says: ”Wa Howallaho fis samawate wa fil arde‟ ”And He is Allah in the heavens and on the earth.‟ (6:3). He has explicitly stated that it is an open paganism to accept one god over the Heaven and another god on the earth (21:21-22). In Surah Al Nahl it is stated: ‘Do not take two gods; He is the only One: ”Lahu ma fis samawat e wal ard‟; Whatever is found in the skies and on the earth belongs to Him only (16:51-52). Therefore, do not make human beings equal to Allah by giving them ownership of landed areas (2:22). Its owner could only be that authority who has created them, and made them source of subsistence for all living beings (29:60-61). After giving such clear arguments, He said: ‘O Prophet (S)! now you ask them that the land and what all is therein belong to whom? But its reply should be given based on knowledge. Then after He said: ‘If they make use of knowledge and insight, they have to say that all these belong to Allah’. Tell them that when they themselves admit that all these belong to Allah, then why do they avoid to face the reality that no human being can be the owner of land? (23:84-85). If you admit this reality, then the produce from land will be lawful and good for you to eat, otherwise you will be moving on the footsteps of Satan who has whispered in your ears that you too can become the owner of food resources (2:168).

Compensation of labour

It has been stated earlier that there is a difference between land and, light, heat, air, and water. The last four resources existed in their usable form whereas food has to be produced from the land at the expense of labour. At different places, the Holy Quran has elaborated in a beautiful way, that your share in the produce acquired from land is to the extent of labour you have spent in the process of production and the rest is the ‘Right of Allah’. For example, you consider that you have taken land on share-cropping basis from a landlord, and when you cultivate that land, you take a part of the produce yourselves and the rest you give to the landlord (whom you consider the owner of the land). According to this rule, in farming, you take your share and give to Allah the share of His ownership. In verses 63 to 73 of Surah Al Waqi’ah, this reality has been described in a very beautiful manner. This is given below and needs full attention:

For this purpose, you just think carefully over the system according to which your upbringing growth, and development has taken place. Does all this happen according to the laws of Divine or as per the laws framed by you? For example, in the cultivation of crops, how much is the role played by you and how much is played by the Divine law. You prepare the land and sow the seed. Tell us Who turns the seed into a crop? Whether you do this or Our laws do all this?

Thereafter it is said:

When the crop is grown up who protects? It is also possible that any calamity may occur and the flourishing crop is destroyed totally that you may helplessly say to each other: ‘We are destroyed; we are totally deprived of everything, We are the unfortunate. Leave aside grain from the crop, our labour and seed have gone waste.’

Then just think of water on which depends not only your farming, but your own survival. Do you make the rainfall to occur from clouds or Our law of subsistence performs it?

(Clouds develop from sea-water which is so saline that it can neither be used for drinking nor for irrigation of crops.) Think for a while that if the rain water would have remained saline, what would you had done? It is strange that you do not consider such simple, straight, and clear matter to draw correct conclusion. Why don’t you evaluate and appreciate the system Allah has set for growth and development.

Similarly, consider about lighted fire and the purposes it serves. How many purposes does it serve on litting? Tell us whether conserved energy is concealed in the branches of green trees and the flames into their dry

stems-latent flames in the grass veins is your workmanship or the craftsmanship of Our laws?

Consequent to this statement of realities, it is emphasized to seriously think over the functioning of the universal machinery engaged in producing means of subsistence according to law controlled by the Divine Authority. Then think of how much is your share and how much is the share of Allah in this Divine programme? Viewed from any angle, you will draw the conclusion that in all these matters your share is to the extent of your labour, and the rest is that of the Divine system. Therefore, your rightful share in the wealth in produced (material for subsistence), could be commensurate only to your labour on it. You cannot become an absolute owner of the entire produce. All these means of production exist by themselves. These are neither made by you nor purchased by you.

These facts remind you that Allah has made them as material for subsistence for hunger-stricken people.

It means: ‛In this entire business, labour is yours and the means of production are Ours. Therefore, you keep with you the share of your labour in the form of means of subsistence and give us Our share’. The question arises as to how should we consign Your ‛share’ to You? The reply is: ‛Deliver this to those who, by themselves, are incapable of getting the means of subsistence’ (56:73). ‛When these means of subsistence are received by them, it is that the same has reached Us.’ This reality has also been described in Quranic verses (27:21; 67:30; 80:24-32).

After its establishment the Islamic system took practical steps in the light of these Quranic clarifications and those who held the ownership of land ‛free of limit and extent’, started limiting (fixing the limits of) their landed property. Obviously for this purpose, the criteria should be that the land area that remains with a person will be that much which produces the quantity of the crop produce sufficient for maintenance of the producer and his family, and thereby it initiated an action plan to abolish private ownership on land.

Land ceiling

In Surah Al Ra’d, it is said that an idea struck the mind of the preacher of Revolution the Holy Prophet (S): ‛Whether the revolution for which I have spent my whole life, will be accomplished in my life time or not?’ He replied: ‛You do not bother yourself whether this will be fulfilled during this life of yours or otherwise, you have to see that this Message is publicised. It will meet its fulfilment either during your worldly life or otherwise. Don’t you see how We are limiting and reducing the land and its area from the big landholders? This is Our verdict (that their ownership on land shall be terminated), and no power on earth can invert Our verdict. Very soon We will call them to account’ (13:41).

In Surah Al Anbiya’, it is said: ‛They and their ancestors got the land to produce means of livelihood. With the lapse of time they established their adverse possession. Now We are gradually withdrawing it from their hands. Our programme will get accomplished undoubtedly. They will not win over Us’ (21:44). In the power achieved due to landlordism, there is an indication that it will be abolished.

This way, He has actually initiated establishment of this system in the second stage.

THIRD STAGE

Accomplishment of the work

We are now entering the third and final stage of this programme. Now the Islamic State is established, and to fulfil Allah’s promise of Rububiyyat e a’alamini (i.e. to provide sustenance material to all) has been assumed by the Islamic State.

Valid reason for establishing Islamic State

This alone was the valid reason for establishment of the Islamic State (as mentioned above). In Surah Al Hajj, it is stated: ‛They (the momineen) are those who, if We establish them in power in the land, will fulfil the responsibility of establishing the system of salat and zakat.’ (22:41). This graceful verse elaborates in most explicit way the justification and responsibilities of the Islamic State. It is stated that the duty of the Islamic State is to establish the system of salat and provide zakat. Establishment of Salat system is a separate subject, discussions are restricted to ”Eeta-e-zakat‟ as this is the subject for the present study. Eeta-e-zakat means

‘providing zakat’. In this respect the Quran has said that the duty or responsibility of the Islamic State is ‘to provide zakat’. This point needs very careful attention. The meaning of zakat, generally considered, is that specific percentage of money which a rich person takes out from his wealth or assets, and the duty of the government is said to collect such money and to spend it on fixed items of expenditure. As per the common usage, the duty of the government is to collect money from people, whereas the Quranic verse (22:41), quoted above, states that the duty of the Islamic government is ‘to give zakat’. The meaning of zakat taken as the specific amount a rich i.e. an eligible person (saheb-e-nisaab) takes out from his wealth, has not come anywhere in the Holy Quran, nor there is any mention of the items of expenditure of zakat (whereas the meaning of zakat is ‘growth and development)’. Therefore, ”Eeta-e-zakat“ means to provide material for growth and development for mankind and thereby that responsibility of universal Rububiyyat and Razzakiyat, which Allah Himself has taken, be fulfilled. How such a great responsibility will be fulfilled has been given by the Quran in detail and with very much explicity, and this is called ‘the economic system of the Quran’.

Covenant with Allah

In this connection, first of all, it is to be understood that whosoever becomes member of the Islamic society (i.e. when he becomes a Muslim), he has to ‘sign an agreement’ whose wordings are: ”Allah hath purchased of the Believers their persons and their goods; for theirs (in return) is the Garden (of paradise).“ (9:111). That is whoever becomes member of this society, he ‘vends’ his goods and soul to Allah; and in lieu of this Allah grants him paradise. In practice, obviously, this transaction is done with the Islamic State (48:10), and thereby a Momin’s life and possessions go under the custody of the Islamic system. In lieu of this, he gets paradisic life in this world and the Paradise in the Hereafter; and Allah has made this promise at several places (in the Quran). Therefore, under the Islamic system, there will not be the ownership of any individual over goods which become Allah’s property (24:33).

Variance of capability

The Quran accepts that different individuals possess different capabilities of earning livelihood——different as well as more and less also. The details of the subject as to how difference in capabilities of individuals develops and how this difference could be minimised are again beyond the scope of the present study. At this stage accepting the fact that difference in capabilities among individuals exists, discussions will be restricted to projecting the Quranic viewpoint in this regard. The Quran says that due to variations in the capabilities, different affairs of the society are accomplished easily (43:32). But (it says): ‘Keep the variance restricted only to this limit, and do not create economic unevenness by this.’ The Quran has, therefore, explicitly explained in Surah Al Nahl, in connection with ‘earning the livelihood’ that difference exists in the capabilities of individuals. But such difference does not mean that those who posses capability of earning more should withhold their earning with them, considering it as their own property. They should return their surplus earning to those subordinates by whose cooperation and assistance their earning increased so much. People do not agree to this and say: ‘How strange is this? On account of this, superiors and inferiors——all will become equal. People who say so get into self deception that the higher capability they possessed was their own creation. This is absolutely wrong. Basically this capability is not the creation of their own, this is the gift given by Allah, and this is the one they got without paying any compensation (16:53,71).

Qarunism (capitalism)

The Quran says that Qarun (whom the Book projects as a representative of capitalism) was also under the same deception when he said: ‘This has been given to me because of certain knowledge I have’. (28:78). ‘My material goods and wealth are by virtue of my knowledge and capability. Why should I give it to others?’ The Quran says that this mentality is the main root of evil and the cause of disorderliness (39:49). Yet at another place the Book says that when a person having this kind of mentality is asked: ‘Don’t you feel and think that one day you have to be in front of Allah, and you will be questioned about the other present gifted by Him’. (102:8). Then (although he does not believe in this kind of interrogation, but for the sake of self-deception or deceiving others) he says: ‘Out of my wealth, I give little in charity ‘for the sake of Allah’. I am sure, in lieu of this I will get the same presents in the Hereafter too, what I am enjoying in this world.’ The Quran says that this kind of thinking is kufr (unbelieving) and it

results in grevious chastisement (41:50).

"Qulil afwa" what is beyond your needs?

After explaining all this, the Holy Quran has given that judgement which has solved this problem absolutely and permanently. It is said in Surah Al Baqarah: 'O Prophet (S)! these people ask you that they should be informed categorically as to what share they have for themselves and what is for others in their earnings.' It is informed: "What is beyond your needs." (2:219). Tell them: 'Your share is only to the extent of fulfilling your needs. The entire remaining portion is to fulfil the needs of others in need.' Even in case when others' need is more pressing than that of yours, then you should prefer others' needs over yours'. (59:9).

This (quill afwa) command has solved the problem absolutely and forever. Due to this, there did not remain any surplus money with anybody, and when there did not remain any surplus money, then the problems and disasters rising due to economic unevenness came to an end. The difference between the creditor and the debtor, the house owner and the tenant, the landlord and the tenant, the industrialist and the labourer, and the rich and the poor ended. And thus in the words of Iqbal:

"(King) Mahmood and (his slave) Ayaz (high and low) stood up uniformly equal in rank in one and the same row; there remained neither any benefactor nor any beneficiary;

The subordinates, the superiors, the indigent and the rich all became but one community;

When they joined Islamic Social Order (and the Divine Programme for unification of human kind in obedience to the laws of Allah enunciated in the Quran) became one."

The land issue

We have seen earlier that the Holy Quran has elaborated the reality that the question of private ownership on land does not arise. This is the source of obtaining sustenance for all human beings (rather all the living beings) (55:10). Therefore, the arrangement thus made should be such that this food resource should remain equally open to fulfil the needs of all needy persons. This is a gift from Allah for all human beings (41:40). And that thing which all the human beings got as gift, no one has got any right to 'put a gate' to it and fix up the boundaries as 'mine and thine' (17:20).Those, who hold up for themselves these 'streams of sustenance' which have to flow like running water so that the needy persons could fulfil their needs without any obstructions, they, inspite of being claimants of possessors of Deen, give the lie to it practically. Their prayers are thrown at their faces. It could be imagined in how much thought provoking manner the Quran has described this reality: 'Have you noted the one who denies the Deen., 'This is the person who repulses the orphan.' 'Neither he himself arranges nor encourages others feeding of the indigent.' 'He thinks that by performing prayers he is fulfilling the duties of the Deen'. This is self-deception. For such worshippers the result of their prayers is disaster-they are unaware of the reality of salat, and remain ignorant of its aims and objectives. They think that perceptual and visible exposition of rituals is salat they just perform these rituals, and withhold the means of sustenance which should have flown like running stream (107:1-7). Is it not giving the lie to the Deen? The Holy Quran has so nicely elaborated the position of land in the light of historical evidence of the people of Thamud that there did not remain entanglement of any kind.

Land belongs to Allah

To state the fact that land belongs to Allah alone, the Quran has quoted an event of the people of Thamud. It states that cattle-rearing was the means of livelihood of the people of Thamud. There were open grazing lands and water points in the surroundings, but the leaders of that nation had kept them under their individual control. Due to this, cattle of the weaker sections used to remain hungry and thirsty. Prophet Saleh (A.S.) came to them as the Messenger of the revolution. He raised voice against the oppression and violence of those chiefs who asked him as to what he wanted finally. He replied: 'I want that as this land belongs to Allah, it is neither yours nor mine, and these cattle are also created by Him. Therefore, these animals should have freedom to graze on the land of their Allah. In what way you have the right that you fix up boundaries on arzullah (land of Allah) this way that His creatures cannot cross the boundaries fixed by you on His land.' (7:73; 1164). [In the land of Madyan, an event of this kind had occurred with Prophet Moses (S.A) where the herdsmen of the tribal chiefs did not allow the cattle of weak and

feeble girls to take water from the water points (28:23).] They said: ‘What should be the practical approach to this problem?’ Prophet Saleh (A.S) said: ‘This is a very simple matter. You fix up the turns of the animals irrespective of the animal belonging to whom; it should take water at its turn.’ (26:155; 91:13). The meaning of ‘fixing the turns’ itself is that this is not the personal property of anyone. This is for the benefit of everyone.

It could be noted that as to what is the meaning of Allah’s land? This is not a perception of any human mind or a theoretical human belief. This is the practical foundation of the economic system of the Quran that land is the means of livelihood for the entire mankind; it cannot become anybody’s personal property. Having theoretical belief in Allah’s land, and giving it practically under the ownership of individuals is paganism according to the Quran; it is kufr (unbelieving), and accusition of lie to the Deen.

Opposition to this system

An in-depth study of the Holy Quran reveals that this is that economic system which the Divine revelation sets forth for the prosperity and welfare of mankind and called Nizam-e-Rububiyyat. This is the system all the Prophet in their times have presented before their people, and the capitalists (mutrafeen in terms of Quran) opposed it vehemently. According to the present day terminology mutrafeen are the capitalists. The Quran says: ‘We have not sent any Prophet who had presented this revolutionary programme and the capitalist class of that period did not oppose it (34:34). Two things came out from the above glorified verse:]

1. The system presented by the Holy Prophets was contrary to capitalism, therefore the capitalist class used to oppose it, and.
2. The wrangle between the Divine order and the capitalistic system existed not just specific to the present age and that it has emerged spontaneously. This is in vogue right from the beginning. And the Quran says that at the same time if any group, taking up this Divine order, stands steadfast and puts in sincere efforts to push it forward, this system will meet success no matter that the capitalist forces spending any amount of money and acting with all force against it. It is stated in Surah Al Anfal:

The opponents of this system will spend huge amounts of money to hinder people coming towards the path of Allah. They will continue to spend their money like water in their evil efforts. But their money will serve no purpose. They will have regrets that they had wasted so much money unnecessarily. Because ultimately they will face a defeat (8:36). Spiritual leaders, religious chiefs, priests, and ulemas will ‘eat’, with great taste and pleasure, the money thus pent in raising obstacles in the path of Allah. But this will never bring to them any fruitful results (9:34). These mutaffifeen (dealers in fraud), who collect their own dues completely but never pay others’ dues, will be removed like feathers from the path of Allah (83:1-4). This will happen when mankind will rise for establishment of ‘Rububiyyat-e-a’lamini’ [(providing the sustenance universally for growth and development of mankind (83:5-6).]. At that time, the root of those people, who used to devour others’ money fraudulently, will be cut off (6:45).

Al Hamdulillah (praise for Allah)

Al Hamdulillah is the first half portion of this verse. Before bringing the second half portion of this verse, that great reality may be repeated (as it was mentioned in the beginning also) that the Quran had initiated its call by Al Hamdulillah-e-Rabbila’lameen i.e. Allah is worthy of all praises and appreciations because of His Rububiyyat-e-a’lameeni (providing sustenance to all the creatures). But in the world of mankind, His Rububiyyat (providing sustenance) does not get established directly. This is established by human hand, and it cannot get established unless the root of those oppressors, who stand in the way like a huge rock, is cut off. Therefore, without cutting the roots of the oppressors, neither Rububiyyat-e-a’lamini can get established nor Al Hamdu lillahe Rabbil a’lameen can appear spontaneously at the tongue of man. Now look at the entire verse; it says: ”Of the wrongdoers the last remnant was cut off. Praise be to Allah, the Cherisher of the Worlds.“ (6:45). And this was the climax of that call which arose as an inviter of that great revolution. ”This is how they will proclaim the Hamd of Allah——the Nourisher of all humanity.“ (10:10).

Guidance of Wahi

But this economic system of the Quran cannot be established without the guidance of Allah's wahi. This expression is not based just on faith, it is a sound reality and worthy of noting it. As any problem of human body is treated keeping in view its entirety, similarly the human economic problems also have to be solved keeping into consideration the mankind as a whole. Allah's wahi has given certain permanent and comprehensive values keeping in view the entire mankind, and by working upon them the individual as well as collective life turn beautiful and elegant. It could be said that Allah's wahi provides such a complete and comprehensive formula that if it is acted upon totally, will bring about expected results. If some parts (or even one part of the formula) are left over, the expected results will not come out. Same is the case with economic problem of man. If it is tried to solve a problem isolating it from other problems of life, entanglements will develop. It could be imagined that if the economic system of the Quran, the outline of which has been already presented, and according to which the responsibility of providing basic needs of every individual is taken care of by the society, if this is introduced in such a society whose members are idlers, it could be imagined then what will be the result. Or if abundant food gets into the hands of a nation which is submerged in luxuries and jovialities of life, it could be imagined as to how much disaster the abundance of sustenance will bring to them. According to the evidences of the Quran: "And how many populations We destroyed, which exulted in their life (of ease and plenty)! Now those habitations of theirs, after them, are deserted…" (28:58). Therefore no philosophy of life, no code of life, considering man a physical machine, and thinking of solving his food problem alone (leaving other problems aside), can never make the human caravan reach its destination. The Quran is a complete code of life for mankind, and the economic system is one of the facets of this code. This entire code is based on the fact that human life is not the name of man's physical body machinery; besides his body, the life contains something else also which is called human self or human personality.

Human personality

At the present level of his life, if the 'Self' in man is made to grow and develop properly, he becomes able enough to cover further stages of evolution after his death. His personality grows and develops when he leads his life in this world as per the permanent values given by the Divine revelation. One of the permanent values is that the more he gives for the growth and development of others, the more will be the growth and development of his own personality. In this context the Quran says: "Those who spend their wealth for increase in self-purification…" (92:18). The one who gives his material goods his 'self' grows and develops. The famous psychologist of the present age Eric Fromm describes this reality in his own beautiful way when he says: 'The aim of life should not be 'to have' but 'to be'; this thing the Quran calls as growth and development, and concentration of the human self; and that is achieved by giving the material goods to others. The goal of life is fixed as 'to be' which is contrary to 'to have'. It could be seen that as the level of human knowledge increases, truthfulness of the proclaims of the Quran come forth in a crystallized form (41:53). This has made it very clear that the economic system of the Quran is established by those persons only who believe in the values given by wahi and the life in the Hereafter. (This is called iman bil aakhirat——believing in the Hereafter).

Iman bil aakhirat (believing in the Hereafter)

This is the reason why the Quran has said that eeta-e-zakat (arrangement to provide sustenance for growth and development) can be done only by those who believe in the Hereafter (27:3, 31:4). A disbeliever of the Hereafter cannot provide zakat (41:7). The matter is very clear. Whoever thinks that life is just this physical life (worldly life), and the one who spends this life pleasantly is a successful individual; for such a thought how can there be any spirit of action under which he should do any hard work, to retain for himself what is needed, and to give rest of it to fulfil the needs of others. If at all such kind of spirit is created in him through some external pressure, it will remain with him for sometime as long the pressure persisted and later it will disappear from him, and he will gradually revert to capitalism. A capital-worshipper does not believe in the Hereafter. This is the reason when the Quran tells Qarun——the representative of capitalism, that he should give up that genocidal false system; in its place it suggests a system whose attribute, described by the Quran, is that from his material and wealth, he should take the share for his worldly life and also make His hereafter prosperous (28:77). And the same desire also persists in the hearts of that group which emerges as the conveyer of the economic system of the Quran and says: "Our Lord! Give us good in this world and good in the Hereafter…" (2:201). And this could be achieved by following the code of

life given by wahi whose one facet is the economic system of the Quran. In a publication 'Nizam-e-Rububiyyat' (1978, Idara-e-Tolu-e-Islam, Lahore) it is described in a very comprehensive and elaborate form that the economic system of communism or socialism could not meet success (nor it can be successful) because the torch-bearers of these systems neither believed in wahi nor in the life of the Hereafter. They did not have that foundation upon which the edifice of such a great system is constructed. Even with the Muslims too, this could become successful provided this community should have a very strong conviction in the truthfulness of the wahi and the reality of the Hereafter. To achieve this objective, first of all basic psychological change has to be brought in the minds of this community because at present their iman is nothing more than formal words and few rituals.

Links of the chain of economic system prescribed by the Quran are given above; and through them it takes the system gradually to the point of completion from the point of initiation. Obviously establishment of this system is possible in an Islamic State only. (And an Islamic State is that whose entire functioning is accomplished by remaining within the framework of the Holy Quran). Whenever and wherever an Islamic State is established, it has to take the decision keeping in view the condition of the society prevailing at that particular time, and that from which link of the chain (system) the programme has to be initiated to make the establishment of the system practically possible. Obviously superficial emotion-worshippers will insist on taking up the final stage of the programme as first and in the beginning itself and thus making the reality a poetry. Another group (within this community), which does not keep in view the complete code of life given by the Quran, will consider it totally impracticable, and (under self-presumption) will regard it as against 'human nature' as nowadays the veiled-supporters of capitalism generally say). Therefore, it will be necessary for the torch-bearers of this system to take its final destination as their aim, but should take practical step gradually to reach at. The economic system of the Quran was established the same way during 'Sadar-e-Awwal' (the period of the Holy Prophet Muhammad (S) and the four caliphs after Him); on the same lines it can be established now also. However, there is some difference between that period and the present age that when the Holy Prophet (S) had proclaimed the voice of this revolution he was then the lone Muslim, the rest were all non-Muslims. But now the responsible people of the Islamic State will all be Muslims, and therefore they could be told: 'This is the system of the Quran and you believe in the Quran, therefore you should not have any objection on establishment of this system.' This way our job will become comparatively easy but on account of this it may also be more difficult.

As it has been stated earlier that the Holy Prophet (S) was the first Muslim. Those who embraced Islam thenafter, they accepted it after considerable thinking and proper understanding. They gave maximum thought to each and every aspect of the Deen, and then they became a Muslim having perfect belief and utmost satisfaction of heart and mind. Therefore, when they were called upon to establish this system, they were not unacquainted with all its tenets. They had full faith in its beneficence and soundness. But now in this world, there is not single piece of land where the Muslims have taken Islam with the kind of that conviction which existed during the period of the Holy Prophet (S) and the four Caliphs, therefore if any State wants to introduce this system, there 'Muslims' (in the words of the Quran) have to be made a Muslim afresh (4:136). Capitalists and religious leaders will form an opposition front because to them, Islam is that Islam which was designed and fabricated during the period of our kingship (when khilafat became kingship); and with them the authenticity for this Islam to be true Islam is the 'tradition of their ancestors'. Muslim State which will be able to act against these forces could alone be able to establish this system. But if they do not establish it with them, some other nation of the world will adopt it. The Quran has already said: 'If you turn back from the path of Allah, He will substitute you with another people who will not be like you.' (47:38).

At this stage this fact may be explained once again that it is said that Russia or China has started this system,--if this is not leading to misunderstanding, it is certainly a self-deception. Neither this system has been started by them nor it can work there. Marx had said that the solution of the economic problem of mankind lies in the fundamental principle: 'extraction of work from everybody as per his capability and compensation given be as per his needs' But he could not get that spirit of action on account of which people will be prepared and came forward to act upon this principle. He, therefore, decided to adopt socialism in place of this system (the communism), and as a result of this the mankind got tied into such chains which are stiffer than those of capitalism. In such a philosophy of

life wherein neither there is belief in Allah nor in permanent values, nor in human personality nor in life in the Hereafter; when such is the case, how can there be the Nizam-e-Rububiyyat established? They cannot get the base itself for this system. Iqbal had, therefore, said in this respect:

”You want to establish a communist world social order, but have you provided foundation firm enough to bear the load of the huge structure of such a social order?“

Nor this system can be established through the ‘current Islam’ which itself is the product of capitalism. It can only be established through the Quran.

Meaning of *Salat* and *Zakat*

Translated and abridged by
Abdus Sattar Ghazali

Deen is the name of a system. This system meant that human beings should live together in such a manner that every individual should have an equal opportunity for to develop its full potential or self-realisation. A system in which each individual should become a means for the development of potentials of others and in this way finds way of his/her own development of potentials.

In this system, the needs of the natural life are very elementary things. A system that is responsible for the development of all natural potentials, cannot forget the natural needs of human beings.

Obviously, such a great system will have many elements of various kinds. Any tiny element of the system will be unique and vital and will have a role in producing the results of the system, while the whole system will be paralysed if that tiny element failed to function, just like a loose of a screw of railway track will stop all trains.

Various injunctions in the Islamic system have equal importance. When that system was established, all actions those were in accordance with the system principles, played role in bringing out the results. But when the system vanished, its elements remained like a railway junkyard, with out-of-order signals and broken railway tracks.

Within the system, various injunctions and principles are part of Deen. Outside the system became rituals. *Madhhab* is the name of a group of rituals and the sacred wishes attached to it. Concrete results are the proof of the authenticity or truthfulness of a Deen, while truthfulness of *Madhhab* remains confined to the good faith of its believers (followers). Deen is like a living body working as an organic whole while in *Madhhab*, parts of the dead body are scattered at the sacred places and worshiped.

Although, the system that Islam gave and described with a comprehensive term of" ad-Deen", cannot be broken into pieces. But to understand we can divide it into two parts: its one part revolutionised individual life and another part was responsible for the development of human potential. (Again I will emphasise that these were not two parts. Internal revolution i.e. the result of change is potential development and the

result of human development is human personality development. I made these parts just for clarification.)

Quran has described this as:

أَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ

In As-*Salat's* terminology, full system of psychological change is reflected in its miniature form and all means of potential development are found in Az-*Zakat*. Az-*Zakat* means growth. As-*Salat* embraces all aspects of a Muslim, his/her all movements, thoughts and intentions.

As-*Salat* is the name of following the right path. The path about which God said: Your potential developer's law (God's Law) is in vogue on the balanced path. You should also follow that path.

In order to get a clear understanding of *As-Salat* terminology we have to see its literal meaning. In horse racing the winner horse is called ' As-Sabiq' and the one immediately following him is called 'Al-Musalli' (from Sallaa i.e. the extreme end of the tail), because he puts the front part of his head near the tail of the preceding horse. That is why in *Sura Al-Qiyamah*, Quran says about the people who deviate from the Islamic system:

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾ وَلَٰكِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾

(In the light of these facts) Tell the person who does not testify (saddaqa) to Our Law of *Accountability*; who does not follow (salla) the straight path; (who) instead belies (kazzaba) and tries to escape (tawalla) from it. (75/31-32)

Saleem, here *Takzeeb* is used against *Tasdeeq* and *Salla* against *Tawalla* i.e. finding ways of escape. Therefore, *Musalli* is he/she who follows exactly the balanced path shown by the law of potential development.

Prostration *"sajda*"means abiding the divine law. In *sura* Al-Alaq, God tells Nabi Mohammad: Don't follow those who do not accept the Divine System. But prostrate and become closer.

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَٱسْجُدْ وَٱقْتَرِب ۩ ﴿١٩﴾

In more clear words, Quran says:"O *Rasul*, you should never feel the necessity to compromise with them. (The question of any compromise between conflicting ideologies of life does not arise. What you have to do is) Obey and follow the Divine Laws to the maximum possible extent as, in this way, every step of yours will take you nearer to your destined goal. (96/17)

Prostrate and become closer. It means that reject abidance of all non-divine laws. Prostration is the manifestation of abidance of the divine law.

Similarly in *sura* Al Murs*alat*, it is said about criminals and liars that when they are asked to bow (go into *ruku*), they do not do. It means that defiance of divine law and rebellion from it is an obstacle in *ruku*. Therefore, *ruku* means practical confirmation of divine law and bowing before it.

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ٱرْكَعُوا۟ لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾

“When told to bow before Our Laws, they never do so”. (77/48)

In *sura* A’raaf, complete abidance of the divine law is called as establishment of As-Salat.

وَٱلَّذِينَ يُمَسِّكُونَ بِٱلْكِتَٰبِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ ٱلْمُصْلِحِينَ ﴿١٧٠﴾

“As to those who hold fast by the Book and establish As-Salat*,* never shall We suffer the reward of the righteous to perish.”(7/170).

In other words, could they not realise the simple truth that the abode of the next world was for those who hold fast to the Book and establish the *Nizam*-us-*Salat (the system of Salat)*? Their right actions would not go unrequited.

Abidance of divine law is not possible without the establishment of Deen’s system (Government according to the laws of Quran). And because establishment of *Salat* is a part of this system, therefore establishment of *Salat* is not possible without the establishment of a government in accordance with the laws of Quran. In sura Hajj it is said clearly that when we will give power to those who wanted to establish Quranic system, they will establish *Salat* and arrange *Zakat*.

ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا۟
بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا۟ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾

"(They are) those who, if We establish them in the land, establish *Salat* and provide *Zakat*, enjoin the right and forbid wrong: with Allah rests the end (and decision) of (all) affairs."(22/41)

In other words, concerning the group of oppressed people who have at last risen to wipe out transgression and *zulm*, God says that if We bestow on them the authority to rule and they do come into power, (they will not do any injustice and oppression but) they will establish *Salat* (so that everyone in society follows the system of Divine Laws). They will provide means of development to each and everyone and enforce Laws which are in conformity with the Divine Code (the *Quran*); and forbid people from doing anything that is contrary to it. In other words, in every case they will first look for the guidance given by *Allah's* Law; and then after discussion and consultation decide their affairs according to the Divine Law (5/44).

In *sura* An-Noor, earthly rule and establishment of Deen is conditional on the establishment of *Salat* and *Zakat*.

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مِنكُمْ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى
ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى
ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِى لَا يُشْرِكُونَ بِى
شَيْـًٔا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ﴿٥٥﴾

"Allah has promised, to those among you who believe and work righteous deeds, that He will, of a surety, grant them in the land, inheritance (of power), as He granted it to those before them; that He will establish in authority their religion - the one which He has chosen for them; and that He will change (their state), after the fear in which they (lived), to one of security and peace: 'They will follow Me (alone) and not associate aught with Me.' If any do reject Faith after this, they are rebellious and wicked. (24/55)

The question arises as to what one would gain by obeying these Laws? *Allah* has promised people who have faith in the truthfulness of the Divine Laws and who do the righteous deeds, that He will establish their authority on this earth (33/27); and their government will turn their land into *Jannah* (paradise) (39/74).

This is Our eternal Law according to which We caused previous generations to establish their authority on this earth (28/6). According to this Law and as a result of their *Eiman* and righteous deeds, We will grant them rule over the land and strengthen the system of life which We have chosen for them. The result will be that it will replace their erstwhile state of fear by a sense of security and peace; so that they may obey Our Laws in comfort. Also there will be no pressure on them to obey any one else, thus becoming guilty of *Shirk*.

No worldly power or authority should force them to obey man-made or other laws instead of those given by *Allah*. But keep one thing in mind. This Order will last as long as they continue obeying Divine Laws. For those who after the establishment of the system do not work according to it (and start enforcing their own laws), this will amount to going astray and abandoning the straight path, which leads them to the right destination. They will thus be deprived of the bounties of a blissful life, which are the result of *Eiman* and righteous deeds. When the basis is lost how can its fruitful results be sustained?

وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ٥٦

“So establish *Salat* and *Zakat*; and obey the Messenger. that ye may receive mercy.”(24/56)

Therefore, if you want to achieve such authority in the land and ensure its continuity, you have to establish the system of *Salat* and make the social structure along a line that ensures that mankind continues getting the maximum means of nourishment. This is not an individual function, but a collective effort possible only under a disciplined and orderly system. For this it is important that you should obey the *Rasul* (the center of authority in the system); and the result will be that the divine bounties will be showered on you. Keep in mind that the one and only way of establishing supremacy of your *Deen* and living an Islamic way of life, is if you make the entire fabric of society conform with Quranic injunctions. And thereafter everyone should obey the system).

In *sura* Shura, where it is said: their government will be formed through consultation before this *aqamat-As-Salat* and *infaq fi sabilillah* is mentioned.

وَٱلَّذِينَ ٱسْتَجَابُوا۟ لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ
وَمِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٣٨﴾

"Those who hearken to their Lord, and establish As-Salat*;* who (conduct) their affairs by mutual consultation; who spend out of what We bestow on them for sustenance."(42/38)

These are the people who respond to the call and come forward to establish the *Nizam-e-Rabubiyyat (Quranic System for Potential Development)*. They obey His Laws and remain within the bounds of *Nizam-us-Salat* (System of *Salat*), which teaches them to decide their affairs through mutual consultations and according to Divine Laws. Furthermore, they keep open for the nourishment of other needy human beings, most of whatever means of sustenance, which they have been provided with. In effect, they retain for themselves only what is necessary for their own survival.

In *Sura Al Hajj*, where it is said about the people who wanted to establish the Quranic order that their duty will be to oversee the deeds of human beings, at the same place *aqeemus-Salat* and *ata-uzakat* is mentioned and then said:

وَجَٰهِدُوا۟ فِى ٱللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِۦ ۚ هُوَ ٱجْتَبَىٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى ٱلدِّينِ
مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَٰهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّىٰكُمُ ٱلْمُسْلِمِينَ مِن قَبْلُ وَفِى هَٰذَا
لِيَكُونَ ٱلرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا۟ شُهَدَآءَ عَلَى ٱلنَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا۟
ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُوا۟ ٱلزَّكَوٰةَ وَٱعْتَصِمُوا۟ بِٱللَّهِ هُوَ مَوْلَىٰكُمْ ۖ فَنِعْمَ ٱلْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ
ٱلنَّصِيرُ ﴿٧٨﴾

"And strive in His cause as ye ought to strive, (with sincerity and under discipline). He has chosen you, and has imposed no difficulties on you in religion; it is the cult of your father Abraham. It is He Who has named you Muslims, both before and in this (Revelation); that the Messenger may be a witness for you, and ye be witnesses for mankind! So establish regular Prayer, give regular Charity, and hold fast to Allah. He is your Protector - the Best to protect and the Best to help!"(22/78)

In other words continue striving for the establishment and sustenance of the Divine Order and make this struggle in right earnestness. It is He Who has chosen you to carry out this mission; so do not ever think of it as some kind of hardship or labour imposed on you. This order is not a new one. This is the same order, which was established by your own forefather *Abraham*. Even the name *"Muslim*" which is given to you is not a new one; in bygone times *Allah* had given this name to other similar communities. Now in the Quran, this very name is proposed for you.

The practical aspect of this programme is that your *Rasul* would supervise your deeds (and after him your central authority would do so); and you would supervise the performance of other mankind. For this purpose you should establish the system of As-Salat and make arrangements for the development of mankind, by holding fast to the Divine Laws (the Quran). Bear in mind that *Allah* alone is your Supreme Protector and He certainly is an excellent Guardian and Helper. Therefore have complete faith in His Laws. This is the practical programme and the key to every success and achievement in life.

Therefore it is clear that abidance of divine law is not possible without the establishment of As-Salat and Az-Zakat.

In *Sura* A'raaf, first it is said:

قُلْ أَمَرَ رَبِّى بِٱلْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا۟ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَٱدْعُوهُ
مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿٢٩﴾

Say: "My Rabb hath commanded justice; and that ye set your whole selves (to Him) at every time and place of prayer, and call upon Him, making your devotion sincere as in His sight: such as He created you in the beginning, so shall ye return." (7/29)

In other words you should concentrate upon exclusive and sincere obedience to *Allah*'s laws. This way you will once again attain that heavenly life from which your ancestors were expelled. An authentic system of life can be established only through the divine law.

If establishment of *As-Salat* was only meant our formal prayer (*namaz in Urdu*), then it was not required to establish a Quranic government. We used to pray even under the British Raj and today Muslims in India are also praying.

Quran also tells us that the natural result of the establishment of *As-Salat* is establishment of rule to govern in accordance with the divine law. Do we have this rule from our prayers?

In *Sura* Al-Baqra it is said:

إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَعَمِلُوا۟ ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَأَقَامُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُا۟ ٱلزَّكَوٰةَ لَهُمْ
أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٧٧﴾

"Those who believe, and do deeds of righteousness, and establish regular prayers and regular charity, will have their reward with their Rabb: on them shall be no fear, nor shall they grieve."(2/277)

In other words, those who believe in, and act in accordance with, the Laws of *Allah* and establish the Order of *As-Salat* and *Az-Zakat* will not have any fear or anxiety for it would be the result of their actions that this Order would be established, and for this, their reward would lie with their *Rabb* (The Potential Developer).

Let us ponder if our prayers and 2 ½ percent *Zakat* is brining this result!

In *Sura* Al-Ankabut, it is said:

إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ

"For Salat restrains from shameful and unjust deeds."(29/45)

The *Salat* system will certainly stop people from collecting everything for themselves and from not caring about the welfare of others. Does our *Salat* (prayers) producing this result?

In *Sura* Ar-Rum, the two aspects of *Salat*'s natural results are explained. First it is said:

وَٱتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ وَلَا تَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٣١﴾

"Turn ye back in repentance to Him, and fear Him: establish regular prayers, and be not ye among those who join gods with Allah."(30/31)

And then added:

مِنَ ٱلَّذِينَ فَرَّقُوا۟ دِينَهُمْ وَكَانُوا۟ شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ
فَرِحُونَ ﴿٣٢﴾

"Those who split up their Religion, and become (mere) Sects, - each party rejoicing in that which is with itself!"(30/32)

After people split into sects, every group thinks it is on the path of truth and is therefore content with its own way. Remember getting split into sects or factions amounts to *shirk (infidelity)*.

Practical result of Divine Law's obedience will be the establishment of Quranic system that will naturally result in the unity of humanity that is divided due to lack of this system. In other words you should remain fully conscious of His Laws. To achieve this, establish the *Nizam-us-Salat* (System of *Salat*, wherein everyone follows His Laws according to one's own free will). In this obedience and following, do not include anyone else's laws or decisions. This will create uniformity of thought and action amongst yourselves and, as such, all humanity will become one *Ummah (Nation).*

At this point Saleem, you may be thinking that what is performed in mosques in the name of *Namaz* (prayer) has any reality? The answer to this is "yes" as well as "no". You know that any soldier has regular routines. Everyday he is called for military exercise that he has to perform at the war front.

You also know that there is an individual psychology and there is a mass psychology. Although group is composed of individuals but individual psychology is different than group psychology. Mass psychology condition is not the sum total of individual psychology. It brings different results.

Islam has prescribed the temporary *Salat* gatherings as a reminder to the system of Deen. In this way these gatherings are an inseparable part of the system. But if the system is not in vogue and we individually or in mosques knee and prostrate (*ruku* and *sajud*), that will be similar to the unused railway signal and broken railway track (mentioned earlier).

Saleem, just think of a soldier (for whom even small elements of his uniform are very important) who, after his dismissal from the army wears his uniform from top to bottom and parades in his village with a stick (instead of a gun) in his hand. Surely, now his action will not bring any result, although in the army all these things are important to bring out desired results.

This is the reason that I said the external form of *Namaz (prayer)* is important and at the same time not important.

Namaz has special importance when it becomes part of Deen (Quranic system) and when it is outside the system, then it becomes a ritual. In the Deen (system), the same elements bring out results, but the artificial *Madhhab* (religion) of human beings has made this an objective in itself.

Saleem notice, in *Sura* Al-Baqra, Quran makes this distinction very beautifully.

۞ لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ
وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ
وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ
وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ
وَحِينَ الْبَأْسِ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

"It is not righteousness that ye turn your faces towards East or west; but it is righteousness- to believe in Allah and the Last Day, and the Angels, and the Book, and the Messengers; to spend of your substance, out of love for Him, for your kin, for orphans, for the needy, for the wayfarer, for those who beg, and for the ransom of slaves; to be steadfast in prayer, and practice regular charity; to fulfill the contracts which ye have made; and to be firm and patient, in pain (or suffering) and adversity, and throughout all periods of panic. Such are the people of truth, who fear Allah" (2/177)

In other words, the fabricated *Shari'ah* was nothing but a collection of rituals, the observance of which was held to be the purpose of *Deen*. This is not at all the case. According to the Divine Law, the essential purpose of *Deen* is not fulfilled by a mechanical performance of rituals e.g. turning Eastwards or Westwards during *Salat* , but requires:-

1. *Iman* (belief) in *Allah*; in the Law of *Mukaf*aat *(accountability)*; in the life Hereafter; in *Malaika (angels)*; in *Anbiya* (prophets) and in the Books revealed through the *Anbiya* (prophets) (2/4); and

2. Following from (1) above: the establishment of a system in which resources are made available to help those who: (a) are left without protection or support in society; (b) lose their means of livelihood or are incapacitated to work; and (c) cannot earn enough to meet their needs. This system will also provide assistance to those outsiders who, while passing through its territory, become indigent, and arrange for the liberation of slaves from bondage.

In brief then, you should establish a system wherein members of the society adhere to the Divine Laws voluntarily and means of development are provided to all who need

them. You should honour your promises and commitments. If hostile forces confront you, then face them with steadfastness and fortitude, and do not let fear and despair weaken you.

Those who follow this path unswervingly vindicate their claim to be true believers and they, can rightfully claim to be upholders of Divine Laws (rather than those who claim to inherit heaven by observing certain rites which they claim is *Deen*).

However, at another place it is also made clear that in its place certain direction is also important.

قَدۡ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِى ٱلسَّمَآءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضَىٰهَا ۚ فَوَلِّ وَجۡهَكَ
شَطۡرَ ٱلۡمَسۡجِدِ ٱلۡحَرَامِ ۚ وَحَيۡثُ مَا كُنتُمۡ فَوَلُّواْ وُجُوهَكُمۡ شَطۡرَهُۥ ۗ وَإِنَّ
ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ لَيَعۡلَمُونَ أَنَّهُ ٱلۡحَقُّ مِن رَّبِّهِمۡ ۗ وَمَا ٱللَّهُ بِغَٰفِلٍ عَمَّا
يَعۡمَلُونَ ﴿١٤٤﴾

“We see the turning of thy face (for guidance to the heavens: now Shall We turn thee to a Qibla (Focus of Attention) that shall please thee. Turn then Thy face in the direction of the sacred Mosque: Wherever ye are, turn your faces in that direction. The people of the Book know well that that is the truth from their Rabb. Nor is Allah unmindful of what they do.”(2/144)

This means that in the Deen system, direction of thought and action should be in accordance with the Divine Law and in its external shape; direction of the individuals should be towards the focal point of the Deen system.

Saleem pause to think, the same thing about which it is said that “it is not righteousness that ye turn your faces Towards East or West, “at another place was considered important.

That was the ritual of *Madhhab* and this is the part of Deen.

وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ
وَيُؤۡتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ ٱلۡقَيِّمَةِ ﴿٥﴾

“And they have been commanded no more than this: To worship Allah, offering Him sincere devotion, being true (in faith); to establish regular prayer; and to practice regular charity; and that is the Religion Right and Straight.”(98/5)

In other words, they are ordained to follow only the Divine Laws; to deny anyone else as their sovereign; and to leave everything else aside in order to unite on one point. They should concentrate their efforts on establishing the system of *As-Salat* and providing for the nourishment and development of mankind (Az-Zakaat). This is the only firm system that guarantees benefit and uplift of mankind.

Saleem! this is the difference between the *Namaz* of *Madhhab* (prayer in religion) and *As-Salat* of Deen (abidance of law through the system). *Madhhab*’s *Namaz* becomes ritual only, while Deen’s *Salat* brings development to humanity. It should be remembered that the establishment of *Salat* means spending your entire life in accordance with the Divine Law. But *Salat* gatherings are also important as part of the Deen system. Hence their holding is important, but these gatherings can bring positive results only when they become part of the system of Deen.

August 1950

****